تفصیل سے لکھے ہین، تقطیع چھوٹی، صفحات ۱۱۵، لکھائی چھپائی کاغذ متوسط، قیمت ۱۲ ر پتہ مقبول دار الاشاعہ لاہور،

دہلی کی جانکنی، ۵۷ء کے غدر دہلی کے واقعات اور افسانے جو ہمیشہ اہل درد کے لیے عبرت و بصیرت کے اسباق ہین، ضرورت تھی کہ ان اسباق کو کسی کتاب کی صورت مین جمع کر دیا جائے جناب خواجہ حسن نظامی نے اس کتاب مین غدر کی انگریزی تاریخون اور دلی کی معتبر زبانی روایتون کو فراہم کیا ہے، کتاب کا ہر صفحہ اپنے ناظرین سے آنسوؤن کے چند قطرون کا طالب ہے لکھائی چھپائی بہتر، کاغذ متوسط، قیمت عہ، خواجہ بک ڈپو، دہلی،

اسلام کی برکتین، یہ مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار کا ایک مضمون ہے جو رسالہ کی صورت مین شائع ہوا ہے مصنف نے اسمین اسلام کی علمی برکات گنائے ہین، مگر بیان مین تاریخیت سے زیادہ ادبیت نمایان ہے، قیمت ۳ ر، پتہ مشرقی کتب خانہ لاہور،

سبعہ سیارہ، حافظ محمد یعقوب صاحب آوج گیاوی کی سات مذہبی نظمون کا مجموعہ ہے، اور آج کل کے احساسات و مذاق کے مطابق ہے، مگر شاید صحیح لفظ "سبع سیارہ" ہو، قیمت ۳ ر پتہ ممتاز بکڈپو حلقہ، نمبر ۲۱، لاہور،

آئینہ جمہوریت، اٹلی کے مشہور محب وطن جوزف میزینی، سیاسی ہونے کے ساتھ ایک ممتاز اہل قلم بھی تھا، اوسنے اپنے قلمی خیالات سے اٹلی کو متحرک کر دیا تھا، اور اوسکے متفرق اجزا کو یکجا کرکے اونمین جمہوریت کی روح پیدا کی، آج جب ہندوستان اسی دور سے گذر رہا ہے، جناب احمد منصور صاحب تسلیم کی یہ کوشش شکریہ کی مستحق ہے کہ اونھون نے میزینی کی ایک تحریر کا اردو مین ترجمہ کرکے شائع کیا ہے، اس تحریر مین میزینی نے، جمہوریت، حقوق، تعلیم، مقصد زندگی وغیرہ اہم اصلاحی مسائل پر باختصار اپنے خیالات ظاہر کیے ہین، قیمت ۴ر پتہ مشرقی کتبخانہ لاہور،

عدد دوم	ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۰ھ مطابق ماہ اگست سنہ ۱۹۲۲ء	مجلد دہم

مضامین

شذرات

ورم اور تازگی و فربہی مین کیا فرق ہے؟ یہ ہے کہ ورم جسم کے کسی ایک عضو مین مادی اضافہ کا نام ہے، اور تازگی و فربہی جسم کے تمام اعضا مین ایک تناسب کے ساتھ ترقی کو کہتے ہین، پہلی شے مرض اور بیماری ہے تو دوسری سرتاپا صحت اور کمال جسمانی! اسی طرح اگر کسی قوم کے جسم کے تمام اعضا یعنی اوسکے تمام ضروری شعبے ایک تناسب خاص کے ساتھ باہم ترقی کر رہے ہین تو وہ قوم صحیح اور تندرست ہے، لیکن اگر اوسکا یہ حال ہے کہ ایک عضو تو بڑھ اور پھول رہا ہے مگر دوسرے اعضا ضعیف اور کمزور ہو رہے ہین تو اوسکو صحیح و تندرست کون کہے گا،
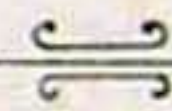
صحت کے اس معیار پر اگر مسلمانون کے قومی جسم کا امتحان کیا جائے تو وہ پھولن اور ورم ثابت ہوگا، نہ تازگی و فربہی! ہمارا یہ حال ہے کہ اگر ہم ایک عضو کے غور و پرداخت پر توجہ کرتے ہین تو دوسرے اعضا کی پرورش سے کامل بے توجہی برتتے ہین، جب ہماری ایجوکیشنل کانفرنس کی بہار تھی تو ہمارے سیاسی خیالات پر خزان چھائی تھی، اور اب جب ہماری سیاسی مجلسین ہمارے قہقہون اور چہچہون سے پرشور ہین تو ہماری علمی اور تعلیمی محفلین سونی ہین، گذشتہ سالون کے عین سیاسی بحران کے دنون مین ہندی پرچارنی سبھا کے جلسے بھی ہوتے رہے، جھنڈا گرگی مشرقی بزم بھی نورافروز رہی، سکھ ایجوکیشنل کانفرنس بھی منعقد ہوئی، مگر ہماری کانفرنسون اور انجمنون نے کیا کیا؟ یا ہم نے اونھین کیا کرنے دیا؟

ذرا ٹھہر جائیے! اور ایک لمحہ غور کیجیے! یہ غلط روی سر منزل نہین، بلکہ سر راہ واقع ہوئی، فتنۂ غدر کے بعد جب ہم نے آنکھین کھولین تو ایک ایسے رہنما کو اپنے قافلہ کا رہبر پایا جو مذہب تعلیم اور سیاست تینون راستون کی قافلہ سالاری کے فرائض خود تنہا انجام دے رہا تھا، منزل ترقی کے یہ تینون راستے مختلف الجہات تھے، اس لیے ایسے قافلہ سالار کے لیے تصادمِ مصالح ناگزیر تھا، چنانچہ اسی کی وجہ سے گذشتہ چالیس برس مین جو کچھ پیش آیا اور آج بھی پیش آ رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے، جب قوم نے سیاسی قدم بڑھایا تو تعلیمی مصالح کے نگران کارون نے اونکو پیچھے گھسیٹا، اس تصادم سے دوسری قومون کی تعلیم گاہین پاک ہین، اونکو نفیاً یا اثباتاً سیاسی انجمنون سے کوئی تعلق نہین، مگر ہماری تعلیم گاہ کو اگر اثباتاً نہین تو نفیاً ان انجمنون سے فطری لگاؤ ہے بلکہ انہین پر اوسکی بنیاد ہے، ایسی حالت مین قوم درحقیقت تنہا گنہگار نہین ہے، وہ مجبور ہے کہ یا تعلیمی رہبر کی پیروی مین پیچھے رہے اور یا ترقی طلب مقتضیات زمانہ کا ساتھ دے، کیا اب بھی ہمارے رہنما اپنے الگ الگ راستے بنا کر قوم کو تصادم اور تزاحم سے بچائینگے؟

کہتے ہین کہ مسلمانون کے کسی زمانہ کا نام "قرونِ اولیٰ" تھا، اور وہ اونکی تاریخ کا عہد زرین ہے، صحابہ کا عہد تو عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، ابوہریرہ، انس بن مالک، یہ اوس عہد کے ائمہ درس تھے، مگر صفوف جنگ اور ایوان مشورت ملکی مین اونکو تلاش نہ کرو! خالد بن ولید، عبیدہ بن جراح، زبیر بن عوام، عمرو بن العاص، سعد بن وقاص فوجون کے جنرل اور ملکون کے فاتح تھے، لیکن جامع مسجدون مین انکا حلقۂ درس نہ تھا، ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رسالت پناہ کے مشیران باتدبیر اور جماعت مسلمین کے شیرازہ بند تھے، مگر وہ فوجون کے سرعسکر اور دائرہ تدریس کے محور نہ تھے، کیا ہم اس سے تقسیم کار کا اصول سیکھ سکتے ہین؟ یقیناً بعض ایسی

مقدس ہستیان بھی تھین جو جامع اوصاف تھین، مگر سنن فطرت مین اونکا درجہ خوارق عادت کا

یورپ کے دوسرے ملکون کی طرح جرمنی مین بھی ایک مشرقی انجمن قائم ہے، جسکا مقصد ایشیا اور مشرق کے علوم و فنون، تمدن و معاشرت، اور اجتماعیات و اقتصادیات کا مطالعہ ہے، امسال یہ کانفرنس ۴-۵-۶-اکتوبر کو خاص برلن مین منعقد ہوگی، آیندہ جلسون کے انعقاد کے لیے بڑے اہتمام سے تیاریان ہو رہی ہین، گذشتہ سال یہ انجمن لیپزگ مین منعقد ہوئی تھی یہ شہر نادر عربی مطبوعات کی اشاعت کا مرکز ہے، اب تک اس انجمن کے قیام پر ۵۰ سال گذر چکے ہین، جرمنی کے مشہور علمائے مشرقیات اس کے نگران کار و مہتمم ہین، مثلاً مشہور عربی دان پروفیسر سنخاؤ، ایشیائے وسطی کے محقق دان لے کاک، سنسکرت کے عالم لوڈرس، یونانی کے ماہر میئیر، عالم انسانیات دان لوشان، برلن یونیورسٹی کے پروفیسر رکٹر نسٹ، وغیرہ اس کے موجودہ صدر ڈاکٹر بیکر ہین، جو اسوقت جرمنی کے معتمد تعلیمات ہین،

گذشتہ ہولناک ایام جنگ مین مرکز جنگ سے ہزارون میل دور جو ممالک تھے وہ بھی مالی صدمون سے محفوظ نہین رہے اور جرمنی کا اقتصادی حیثیت سے جو حال ہوا ہے وہ تو سب کے سامنے ہے، جرمن سکہ (مارک) کی قیمت بازار مین کوڑیون کے مول ہوگئی تاہم آپ کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ جرمن مشرقی کانفرنس، کی دولت اور تمول کا یہ حال ہے کہ اگر اب سے اوسکو کوئی نیا چندہ نہ بھی ملے تو وہ کئی نسلون تک فراغ خاطر کے ساتھ اپنے فرائض علمی، انجام دے سکتی ہے، کیا ہماری قوم کے علمی و تعلیمی قدردان اصحاب اس خبر کو سن رہے ہین؟

تاہم کارکنان انجمن نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ وہ نہ صرف جرمنی بلکہ دنیا کے تمام علمی قدردانون کے سامنے اپنی مالی اعانت کی عرضداشت پیش کرین، اور طے کیا ہے کہ جو شخص یکمشت چارسو مارک، یعنی تین انگریزی پونڈ چندہ دیگا وہ انجمن کا رکن دائمی قرار دیا جائیگا، اس سلسلہ مین ہمارے ایک ہموطن بمبئی کا، سرکار مقیم جرمنی نے ہندوستان کو بھی شرکت کی دعوت دی ہے، لیکن سوچ لینا چاہیے، کہ علم پرستی کی یہ نمائش، اداے فرض کے لیے زرکشی کا کوئی علمی جال تو نہین ہے؟

مولنا حبیب الرحمان خان شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ حیدرآباد دکن کے کتب خانہ مین سودا کے دیوان کا ایک نادر نسخہ بہم پہنچا ہے، علاوہ خوشخطی، اور دیگر اوصاف ندرت کے ایک خاص بات اسمین یہ ہے کہ یہ نسخہ عین اوسوقت پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا تھا جب نادر شاہ اپنی قہار فوجین لیے ہوے دلی کے دروازہ پر کھڑا تھا، کاتب نے کتاب کے آخر مین لکھا ہے کہ یہ سطرین جسوقت لکھی جارہی ہین نادر شاہ کی فوجین شہر مین داخل ہو رہی ہین، کیا یہ علمی یکسوئی کی عجیب و غریب مثال نہین ہے کہ جب شہر اضطراب اور بے چینی کی کروٹین لے رہا تھا ایک سودا زدۂ علم، دیوان سودا کی کتابت مین مصروف تھا، یہ ذوق فن ہر بوالہوس کو کہان نصیب!

افسردہ را نصیب نباشد دل کباب
آن یا بداین نوالہ کہ مہمان آتش است

ریاست حیدرآباد کے تمام علمی کارنامون مین سب سے بڑا کارنامہ یقیناً اُردو جامعۂ عثمانیہ کا قیام ہے، ہمکو معلوم ہوا ہے کہ علوم و فنون کی اُردو مین تعلیم کی تجویز خاطر خواہ بار آور

ہو رہی ہے اور مادری زبان مین تعلیم کے طریقہ کی کامیابی کا بالعیان مشاہدہ ہو رہا ہے، اسوقت جامعہ کے صرف ایف اے کلاس مین ڈیڑھ سو طالب العلم ہین، جامعہ کے ایک کامیاب طالب العلم کے ذاتی امتحان لینے کے بعد انگلستان کی شیفیلڈ یونیورسٹی نے جامعۂ عثمانیہ کو مبارکباد دی ہے، اور اوس کی سندون کو اپنے ہان کے لیے باقاعدہ تسلیم کر لیا ہے، اس کامیابی پر ارکان جامعہ یقیناً مبارکباد کے مستحق ہین، اگر آج سے چالیس سال پہلے اس تجویز پر عمل ہوا ہوتا تو آج ہندوستان کی تعلیمی سطح کتنی بلند ہوتی ہے، افسوس کہ آج سر سید ہین اور نہ حالی کہ وہ دیکھتے کہ شبلی کے خیال کی صداقت رد و قدح اور اعتراض و جواب سے بری ہوکر، روز روشن کی طرح نمایان ہے، (مولانا شبلی مرحوم، نے اپنے مضمون "گذشتہ تعلیم" مین مادری زبان کی تعلیم پر زور دیا تھا، اسپر سر سید بہت چراغ پا ہوئے تھے، اور مولانا حالی نے حیات جاوید مین مولانا کی تردید لکھی)

ابو تمام عرب کا وہ شاعر ہے جس کی سخن سنجی سے زیادہ اوسکی سخن فہمی، ایک ہزار برس گذرنے کے بعد بھی دنیا سے اپنے حسن انتخاب کی داد طلب ہے، آج کل جو قومیت پرستی کی نئی نئی ہوائین ملک عرب مین چل رہی ہین، اوس سے وہان کا علمی طبقہ بھی مستثنیٰ نہین، چنانچہ ابھی پچھلے مہینہ شام کے ادبا اور شعرا نے ابو تمام کی قبر پر جمع ہوکر اوس کی تربت پر پھول چڑھائے، شعرا نے اوس کی یادگار مین قصائد پڑھے، اور اوسکی لوح تربت پر چند شعر لکھکر کندہ کیے، اے ابو تمام کے ماتم گسارو! ابو تمام کی بزرگی اور عظمت کی یادگار تمھارے اجتماعات، تمھارے قصائد اور تمھارے نقش لوح سے نہین ہے، اوسکی عظمت کی زندگی کا راز اوسکا کام ہے، کہ دنیائے ادب مین جب تک حماسہ کا وجود باقی ہے ابو تمام کی عظمت کا آفتاب غروب نہین ہو سکتا!

لوگ کہتے ہین کہ جدید تمدن، مذہب اور ادائے ارکان مذہبی کا دشمن نہین، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس طرح قومین ہندو، مسلمان، مشرک، مومن، ملحد، عیسائی، یہودی، پارسی ہوتی ہین، اسی طرح تمدن بھی، ہندو، مسلمان، مشرک، مومن، ملحد، عیسائی، یہودی، پارسی ہوتا ہے، دنیا کا غالب تمدن وہی ہوتا ہے جو اوس زمانہ کی غالب قوم کا ہوتا ہے، غالب قوم اپنے لیے تمدن کا جو قالب تیار کرتی ہے وہ وہی ہوتا ہے، جس مین خاص اوسکی زندگی کے تمام ضروری اجزا مناسب طور سے اپنی اپنی جگہہ پر لگ جاتے ہین، جب اوس کے تمدن کو دوسری قومین اختیار کرتی ہین تو بلا تغیر و تبدل، زیادت و نقص، ترمیم و اصلاح وہ اوسکو اوڑھ لیتی ہین، یہ خلعت اونکی ضروریات زندگی کے جسم پر راست نہین آتا، مگر با این ہمہ وہ اوس مین کسیطرح تغیر نہین کرنا چاہتین کہ اس سے قوم غالب کی مماثلت کی عزت باقی نہین رہے گی، اس لیے لاچار وہ خود اپنی ضروریات و طرائق زندگی مین تغیر و تبدل کرنے پر مجبور ہوتی ہین، اسطرح اونکو اپنے تمام مذہبی و ملکی و قومی رسوم و عادات اور طریقے بدل ڈالنا پڑتے ہین،

ہمہ وقت پتلون کے استعمال کے ساتھ طہارت شرعی مشکل ہے، نکٹائی، کالر، کف، پاتابے بوٹ کے ساتھ وضو مین سستی اور کاہلی راہ پاتی ہے، تمدن جدید کے مطابق کوٹھی شہر سے اتنے فاصلہ پر ہونا چاہیے کہ عام باشندون کی سانس کی ہوا وہان نہ پہونچ سکے، اس لیے مساجد مین شرکت بھی نہین ہو سکتی، گھر کا کمرہ کمرہ، میز و کرسی و الماری وغیرہ فرنیچر سے اس طرح آراستہ ہو کہ کہین برآمدہ کے گوشون کے علاوہ نمازی کو کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے کی جگہ نہ ملے، مکان کی تمام دیوارین تصاویر سے اس طرح پٹی ہون کہ قبلہ کی طرف رخ کرنا مشکل ہو، غور کرو ان حالات کے ساتھ ایک اسلامی زندگی کا قائم رکھنا کسقدر مشکل اور عملاً محال ہے،

ہم جہان ترکون کی اور بہت سی عمدہ خوبیون کے معترف ہین اون مین سے ایک یہ بھی ہے کہ اونھون نے یورپ کے عیسائی تمدن کو مسلمان بنالیا ہے، (اس سے وہ چند نوجوان "یورپ زدہ ترک" مستثنیٰ ہین جو یورپین ہونا ہی اپنا سب سے بڑا شرف جانتے ہین) عام ترکون نے یورپ کے تمدن معاشرت، لباس سب کو اختیار کرلیا ہے مگر پہلے اوسکو اپنے قومی و ملکی و مذہبی ضروریات کے مطابق کرلیا، پارک بنائے تو ایک گوشہ مین مسجد، وضو خانہ، طہارت خانہ بھی بنا دیا، پتلون کو کسیقدر ڈھیلا پہنا، بوٹ مین نیچے کے تلے مین کھٹکا لگا دیا کہ بروقت ذرا سے جھٹکے مین نکل جائے، ریلین جاری کین تو اون مین نماز و وضو کا بندوبست کیا، اسٹیشنون کا رُخ قبلہ رکھا، عورتونکو گھر سے باہر نکالا تو برقع کے اندر

―――――

ابھی ابھی ایک عربی رسالہ مین پڑھا کہ اناطولیہ مین امریکہ کو کارخانہ دارون نے جو ٹھیکے لیے ہین، وہ اپنے ترک مزدورون اور کارگیرون کے لیے اقامت گاہین اور بارکین بنوا رہے ہین، حکومت انگورہ نے اونکے پاس مکانات اور بارکون کا نقشہ خود بھیجا ہے کہ اسطرح یکمکان زنانے اور مردانے یون الگ ہون، ہر چند مکانات کے بیچ مین ایسے طہارت خانے ہون، ہر سو پچاس مکانون کے بعد ایک مسجد ہو، اوسمین وضو خانہ ہو، غرض ایک عیسائی یا لامذہب تمدن کو وہ اختیار کرتے ہین تو اوس کو مسلمان بنا کر، ہمارے ہندی نژاد "کوٹھی باش، سوٹ پوش" مسلمان کیا اس نکتہ پر کان دھر سکتے ہین؟

―――――

مادری زبان کی تعلیم کے مسئلہ مین ہمارے صوبہ کی کونسل تو صرف شور و شر کرکے رہ گئی لیکن بنگال کے سپوتون نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے، یعنی کلکتہ یونیورسٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، کہ تعلیم کی زبان بنگالی کردی جائے، جو صوبہ کی مادری زبان ہے، اسپر بعض بنگالی مسلمان تعلیم یافتہ چراغ پا ہین کہ اردو ہونی چاہیے، اگر "فضل حق" اسے یہ فیصلہ ہوجائے تو کیا کہنا، ورنہ اس کوشش سے تو

ہرگز ہاتھ نہ اُٹھانا چاہیے، کہ صوبہ کی مخصوص زبان کے ساتھ ساتھ ملک کی عام زبان "اُردو" یا "ہندوستانی" کی تعلیم بھی لازمی قرار دیجائے ورنہ یاد رہے کہ اگر اسی طرح ہر صوبہ صرف اپنے صوبہ کی مخصوص زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دے لے اور ملک کی کسی عمومی زبان کا خیال نہ رکھا جائے تو حالات آج سے بدتر ہوجائین گے، آج ایک انگریزی زبان تعلیم یافتہ اصحاب کی مشترک زبان کا کام دے رہی ہے، اب اگر یہ "بدیسی زبان" چھین لی جائے اور صرف صوبہ وار زبانین رہ جائین تو مشترک اور باہمی افہام و تفہیم، بول چال، جلسے، مجالس، اخبارات اور تصنیفات کے لیے کوئی مشترک سطح باقی نہین رہے گی، اور اس طرح ہندوستان کی قومیت متحدہ کا خواب، پریشان تر ہوجائیگا،

―――――

بورڈ آف ایجوکیشن لندن کے ایک جلسہ مین ایک ممبر کی درخواست پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ لندن یونیورسٹی کے یونیورسٹی کالج مین برٹش امپائر کے تمام مشرقی ممالک کی زبانون کی تعلیم دیجاتی ہے، ان مین سے ہندوستان کی سیکڑون زبانون مین سے صرف دو زبانون کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ وہ اس درسگاہ کے نصاب السنہ مین داخل ہون، ایک اُردو اور دوسری بنگالی، اس واقعہ سے جہان ہم اور نتائج نکال سکتے ہین ایک نتیجہ یہ بھی نکال سکتے ہین، کہ بنگال کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے صوبون مین انگریزون کو اُردو جان لینے کے بعد پھر کچھ مشکلات پیش نہین آتے ہین، اور دوسرے صوبون مین کام چلانے کے لیے محض اردو کافی ہے، ہماری بعض ہندوستانی یونیورسٹیون کے لیے ایک تاسف انگیز نتیجہ اس خبر سے یہ نکلتا ہے کہ لندن یونیورسٹی مین تو اُردو کو یہ اہمیت حاصل ہے مگر اس یوسف کو خود اپنے وطن کنعان مین کوئی پوچھتا بھی نہین،

―――――

آج کل کلکتہ یونیورسٹی کی کثرت مصارف اور قلت آمدنی کے ضمن مین بنگال کے فضلاء

ارباب کمال کے درمیان ایک گرما گرم مناظرہ برپا ہے، جدو ناتھ سرکار مشہور مورخ اور اساتذۂ یونیورسٹی مین قلمی معرکہ آرائی ہے کلکتہ ریویو اساتذۂ یونیورسٹی کا مظہر خیال ہے اور ماڈرن ریویو مین سرکار کے مضامین نکلتے ہین، اسی سلسلہ مین معاملہ نے یہان تک طول کھینچا ہے کہ رسائل مین ایک دوسرے کے علمی خدمات کی دھجیان بکھیری جا رہی ہین، اور چن چن کر غلطیان منظر عام پر لائی جا رہی ہین، کیا ہماری قدیم درسگاہون کا طرز مناظرہ، بڑے دعوون کے جدید کالجون مین بھی داخل ہوگیا، فضلائے بنگال! ذرا کان لگا کر سننا کوئی یہ شعر تو نہین پڑھ رہا ہے!

بیا بمیکدہ و چہرۂ ارغوانی کن
مرو ”بمدرسہ“ کانجا گناہ گارانند

ابھی لندن مین وہان کے صنعتی مدارس کے استادون کی ایک کانفرنس تھی، مسٹر جے پارے یورک اسکے صدر تھے، مسٹر موصوف نے اپنی صدارتی تقریر کے ضمن مین ”عمدہ تعلیم“ کے اثرات پر بھی گوہرافشانی فرمائی ہے، اونھون نے کہا:

”اب زمانہ آگیا ہے کہ اس سوال کا کہ عمدہ تعلیم کے اثرات کیا ہین، نہایت احتیاط سے جواب دیا جائے،

”عمدہ تعلیم“ سے میرا مقصود یہ ہے کہ ایسی تعلیم اور ایسی لیاقت ہو جو لڑکے کے دماغ کو ترقی دے، اور اوسمین مطالعہ کا ذوق، اور استدلال، تجسس اور اوس شے کے فہم کی قابلیت پیدا کرے جسکا فہم مین آنا ممکن ہو، اور تربیت ایسی ہو جو اوسکی جسمانی قوت کو ترقی دے اور جسمانی و دماغی دونون قوتون کو باہم ایک ساتھ زیادہ مضبوطی کے ساتھ متحد کر سکے، اور جو اوسکے تخییل، ہمت، اور اوس نادر عطیۂ الٰہی کو ترقی دے سکے جو فطرت کے عجائبات سے دلچسپی اور زندگی کے محاسن سے لطف اندوزی کے قابل بناتا ہے،“

یہ تعلیم کا کامل مغربی نقطۂ نگاہ ہے، مشرق کے نزدیک علم یہ ہے کہ ہم ”ممکن“ سے ”واجب“ کو سمجھین، اپنی قوت کا حقیقی اندازہ کرین، استدلال و تجسس کی راہ چھوڑ کر کشف و ذوق کی صراط مستقیم پر چلین، ”فطرت کے عجائبات“ سے عبرت پذیری اور ”زندگی کے اصلی محاسن“ کی حقیقت شناسی حاصل کرین۔

مقالات

فلسفیانہ

وحدۃ الوجود

از پروفیسر عبدالباری

بظاہر عالم سراپا کثرت و تعین اور یکسر فنا و تغیر کا تماشہ گاہ ہے۔ کرۂ ارضی سے لیکر مرکز آفتاب تک ساری کائنات رنگارنگ کے ان گنت موجودات سے معمور نظر آتی ہے۔ لیکن دیکھنا ہے کہ ان رنگینیون کی تہ مین کہین کوئی بے رنگی اور اس ظاہری کثرت و فنا کے نقاب مین کوئی حقیقی وحدت و بقا تو روپوش نہین ہے؟ انسان کے گستاخ ہاتھ نے دیدار کے ذوق و شوق مین بارہا اس نقاب کو الٹ دینا چاہا ہے، مگر سچ یہ ہے کہ

کس ندانست کہ منزل گہ آن یار کجاست
این قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

البتہ اس ”بانگ جرس“ کو جسقدر زیادہ کان لگا کر سنو، اسی قدر زیادہ صاف سنائی دیتی ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساز ہستی کے ہر پردہ سے ایک ہی صورت سرمدی ترنم ریز ہے، باقی ہنگامۂ کثرت تمام تر التباس حواس و فریب نظر ہے۔

کمہار ایک ہی مٹی سے سو سو طرح کے برتن اور کھلونے بناتا ہے۔ تمھارے سامنے گلاب کا ایک پودا لگا ہے، جو دیکھنے مین سر سے پاؤن تک کثرت ہی کثرت ہے، اس مین جڑ ہے، شاخین ہین، کانٹے ہین، پتیان ہین، پھول ہین، پھول مین پنکھڑیان ہین، پنکھڑیون مین رنگ ہے، بو ہے، لیکن کیا پھر بھی تم یہ سمجھنے پر مجبور نہین ہو، کہ یہ سارے کرشمے اوسی ایک ہی،

شے کے ہین، جس کو ہم "گلاب کا ایک پودا"، کہتے ہین؟ دور جانے کی ضرورت نہین، خود اپنی ذات کو لو، کہ مہد سے لحد تک ہر روز ہر گھڑی، بلکہ ہر آن تم پر اتنے تغیرات طاری ہوتے رہتے ہین، جنکا شمار ناممکن ہے۔ حالت جنین سے لیکر بچپن، جوانی اور بڑھاپے تک کی منازل طے کرنے مین تمھارا جسم سیکڑون ہزارون صورتین بدلتا ہے۔ ان تغیرات کا سب سے نمایان مظہر تمھارا نفس ہے، جس کے جذبات وخیالات کو ایک لمحہ بھی ایک حال پر قرار نہین۔ باایہمہ جسم ونفس کے یہ سارے تغیرات، اسی ایک وجود سے وابستہ ہین، جس کو تم یا مین اپنا جسم اور اپنا نفس کہتا ہون،

غرض اس طرح ادنی تامل سے یہ بات نظر آنے لگتی ہے، کہ ہر کثرت کے پردہ مین کوئی نہ کوئی وحدت پنہان ہے، بلاشبہہ یہ وحدت بھی اسی طرح اضافی واعتباری ہوتی ہے، جس طرح کہ اس کی کثرت ہے، گلاب کا ایک درخت یا انسان کا ایک جسم اپنے تمام شئون واحوال کی تہ مین اگرچہ ایک وحدت ویکتائی رکھتا ہے، تاہم اس قسم کے درخت اور افراد انسانی یا انکے علاوہ اور انواع واقسام کے اس قدر نامتناہی اجسام کائنات مین موجود ہین جن سے ان کی ساری یکتائی باطل ہوجاتی ہے، اور بزم کثرت کی رونق مین کوئی فرق نہین محسوس ہوتا،

لیکن یہ بھی کوتاہ نظری ہے۔ زاویۂ نگاہ کو ذرا اور وسعت دو تو معلوم ہوگا۔ کہ شجر وحجر، انسان وحیوان، آگ اور پانی، مٹی اور ہوا تمام ارضی وسماوی موجودات بالآخر مختلف قسم کے اجسام یعنی ایک ہی حقیقت جسمیہ کے مختلف صور واشکال ہین۔ البتہ اس حقیقت جسمیہ کے مقابل مین ایک اور شے ملتی ہے، جس کو نفس، روح یا ذہن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نفس اپنے افعال وخواص کے لحاظ سے جسم سے اس درجہ متغائر ومتضاد ہے کہ یہ سمجھ مین آنا مشکل ہے کہ ان دو کی حقیقت بھی ایک ہو سکتی ہے جسم ممتد ومنقسم ہے، بلکہ بلا انقسام وامتداد کے اس کا تصور ہی نہین ہو سکتا، بخلاف اس کے نفس جس کا مابہ الامتیاز فعل فکر وشعور، فہم وادراک ہے، اُس کو ممتد یعنی طویل عریض وعمیق تصور کرنا ناممکن ہے،

اسی بنا پر ڈیکارٹ نے دوئی کا مسلک اختیار کیا، کہ جسم ونفس دو بالکل متبائن اور قائم بالذات جواہر ہین جن مین سے ایک کی حقیقت کو دوسری سے مطلق کوئی واسطہ نہین، لیکن فلسفہ کی گہرائی کو اس دوئی یا "ثنویت" سے بھی اتنا ہی بعد ہے، جتنا کہ ظاہری تعدد وکثرت سے تھا چنانچہ ڈیکارٹ کے بعد سے کہنا چاہیے کہ فلسفہ کی ساری تاریخ اسی دوئی کا نقش مٹانے مین مصروف ہے جس کے لیے دو ہی راہین کھلی تھین، یا تو نفس وجسم مین سے کسی ایک کو دوسرے مین مدغم کردیا جائے جیسا کہ مادیت اور تصوریت نے کیا، یا پھر دوسری صورت یہ تھی، کہ ان دونون کو کسی تیسری حقیقت مین فنا کردیا جائے،

فلسفۂ جدیدہ مین ڈیکارٹ کے سب سے پہلے جانشین اسپنوزا[1] نے یہی آخری راستہ اختیار کیا اور صفحات ذیل مین اسی کی تعبیر ہے،

کوئی شخص وحدة الوجود کا قائل ہو یا نہ ہو، لیکن آتنا بہرحال ہر عامی وفلسفی کا ذہن کسی نہ کسی معنی مین سمجھنے پر مضطر ہے کہ اس عالم ظاہری کے فنا وتجدد، حوادث، وتغیرات کے پیچھے کوئی نہ کوئی قائم وباقی قدیم وغیر متغیر ذات ضرور ہے، اور ہمارے تمام فانی محسوسات یا ظواہر چاہے وہ نفسی ہون یا جسمی، اسی ذات کے ساتھ کسی نہ کسی طرح وابستہ ہین۔ خواہ یہ ذات واحد ہو یا متعدد، خواہ یہ روح ہو یا مادہ یا خدا یا تینون۔ حکما وفلاسفہ کی قدیم اصطلاح مین اسی قائم وموجود بالذات شے کا نام جوہر ہے،

جدید فلسفہ کے بانی اول ڈیکارٹ نے بھی جوہر کے اسی خیال کو قائم رکھا، اور ڈیکارٹ ہی کی تعریف جوہر کو اسپنوزا نے اپنے فلسفۂ وحدة الوجود کا ان الفاظ مین سنگ بنیاد قرار دیا، کہ جوہر

[1] ہالینڈ کا نامور یہودی فلسفی۔ متوفی ۱۶۷۷ء

سے میری مراد وہ شے ہے، جو بالذات موجود و متعقل ہو، یعنے جو اپنے تعقل مین کسی دوسری شے کے تعقل کی محتاج نہو"

بارہا ایسا ہوتا ہے، کہ آدمی جو کچھ کہتا ہے، خود اُس کو نہین سمجھتا، ایک شے کو مانتا ہے، لیکن اُس کے لازمی نتائج کا انکار کرتا ہے، یا سرے سے اِن کی طرف اس کا ذہن نہین جاتا۔ ڈیکارٹ جو ہر کا قائل ہوکر بھی اس سے غافل رہا، کہ جو شے اپنے وجود و تعقل مین کسی غیر کی محتاج نہو، اس کے لازمی نتائج کیا ہونگے، اور خدا کو جوہر کہنے کے بعد غیر خدا (مادہ و روح) کی جوہریت کا دعوٰی، خواہ اسکو مخلوق ہی کیون نہ قرار دیا جائے، دراصل خدا کی جوہریت کا انکار ہے،

اسپنوزا نے مفہوم جوہریت کے انہی نتائج لازمہ کی تشریح کی ہے جن مین زیادہ اہم جوہر کا واحد، قدیم، نامحدود، اور واجب الوجود ہونا ہے یہی جوہر اسکی اصطلاح مین خدا کا دوسرا نام ہے اور جس کی وحدت اس کے سارے نظام فلسفہ کی جان ہے۔

لیکن حقیقت جوہری کے ان لوازم و نتائج کو خود اسپنوزا کی زبان سے سننے کے لیے پہلے اس کے طریق استدلال کا جان لینا ضروری ہے،

تم کو یاد ہوگا کہ ڈیکارٹ کے فلسفہ کی بنیاد تمام تر شعور پر تھی، جس چیز کا واضح و جلی شعور یا تصور حاصل ہو، اس کا وجود یقینی و قطعی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یون کہو، کہ علم و یقین کا اصلی معیار ریاضیات کا طریق استدلال ہے۔ اور یہ طریق استدلال ڈیکارٹ کے نزدیک ریاضیات کی طرح مابعد الطبیعات مین بھی استعمال ہو سکتا تھا۔ لیکن ڈیکارٹ نے صرف کہا تھا، اور اسپنوزا نے کر دکھایا۔

یعنی اس نے اقلیدس یا ہندسہ کی طرح اپنے تمام نتائج و دعاوی کی بنیاد چند حدود (تعریفات) اور علوم متعارفہ پر رکھی ہے۔ جس طرح ہندسہ مین یہ کیا جاتا ہے، کہ پہلے نقطہ و خط وغیرہ کی تعریف کیجاتی ہے، پھر کچھ علوم متعارفہ یا اصول بدیہیہ بیان کیے جاتے ہین، مثلاً یہ کہ جو چیزین کسی ایک چیز کے برابر ہون، وہ آپس مین بھی برابر ہونگی۔ اس کے بعد اصل مسائل ہندسیہ کے احکام و دعاوی بیان ہوتے ہین جن کا ثبوت انہی تعریفات اور علوم متعارفہ سے ماخوذ ہوتا ہے، یا جو دعوٰی ان سے ثابت ہو چکا ہے، اس پر مبنی ہوتا ہے۔ بعینہ یہی طریقہ اسپنوزا نے مسائل فلسفیہ کے اثبات مین اختیار کیا ہے۔ اس کا اندازہ ذیل کے چند اقتباسات سے ہوگا جو اس کی کتاب "اخلاقیات" کے حصۂ اول سے نقل کیے جاتے ہین جس مین وجود خدا پر بحث ہے۔ اور جو اس کے فلسفہ کا سب سے اہم حصہ ہے[1]

حدود

۱۔ کسی شے کے آپ اپنی علت ہونے سے میری مراد یہ ہے، کہ اس کی حقیقت خود اپنے وجود کو مستلزم ہو، یا یون کہو، کہ جس کی ماہیت کا تعقل صرف "موجود" ہی ہونے کی حیثیت سے ہو سکتا ہو۔

۲۔ محدود (بنوع خود) سے مراد وہ شے ہے، جو اپنی ہی نوعیت کی کسی دوسری شے سے محدود ہو۔ مثلاً کسی جسم کو اس لیے محدود کہا جاتا ہے، کہ ہم ہمیشہ اس سے بڑے جسم کا تعقل کر سکتے ہین، اسی طرح ایک خیال بھی دوسرے خیال سے محدود ہوتا ہے۔ لیکن کوئی جسم کسی خیال سے یا کوئی خیال کسی جسم سے محدود نہین ہوتا،

۳۔ "جوہر" سے میری مراد وہ شے ہے، جو بالذات موجود و متعقل ہو، بالفاظ دیگر، جو اپنے تعقل مین کسی غیر کی محتاج نہو،

۴۔ "صفت" سے میری مراد وہ شے ہے، جس کو ذہن کسی جوہر کی حقیقت یا ماہیت خیال

[1] یہ کتاب کل پانچ حصص یا مباحث پر مشتمل ہے: وجود خدا، حقیقت نفس، حقیقت جذبات، قوت جذبات، مسئلہ جبر و قدر یہی کتاب اسپنوزا کے نظام فلسفہ کا اصلی سفینہ ہے اصل کتاب لاطینی زبان مین ہے ہمارے سامنے اے ایچ ایم ایلوٹس کا انگریزی ترجمہ ہے،

کرتا ہے،

۵- عرض سے میری مراد جوہر کے احوال وشئون ہین، یا وہ چیز جو کسی دوسری چیز مین ہو کر پائی جاتی ہے اور اپنے تعقل مین اس کی محتاج ہوتی ہے،

۶- خدا سے میری مراد ایک علی الاطلاق نامحدود ہستی یعنی وہ جوہر ہے جو نامحدود صفات پر مشتمل ہو، جن مین سے ہر صفت ایک ازلی ونامحدود حقیقت کو ظاہر کرتی ہے،

تشریح:- مین نے نامحدود بنوع خود نہین، بلکہ علی الاطلاق نامحدود اسلیے کہا ہے، کہ جو شے صرف اپنی نوع کے لحاظ سے نامحدود ہو، اس کے لیے نامحدود صفات کا انکار کیا جا سکتا ہے. لیکن جو ذات علی الاطلاق نامحدود ہے، اس کی ماہیت لامحالہ ہر اس شے کو مشتمل ہوگی، جو کسی حقیقت کو ظاہر کرتی ہے، اور کسی سلب یا نفی کو مستلزم نہین ہے،

۷- آزاد یا مختار وہ شے کہی جاتی ہے، جس کا وجود خود اس کی حقیقت کی بنا پر لازم و واجب ہو (یعنی جو واجب الوجود ہو - م) اور جس کا فعل صرف اسی کی ذات کا پابند ہو، بخلاف اس کے مجبور وہ شے ہے، جس کے وجود اور فعل کو اس کی ذات سے باہر کسی شے نے ایک خاص متعین صورت مین حصر کر دیا ہو،

۸- ازلیت، سے میری مراد خود وہ وجود ہے، جس کا تعقل تمام تر کسی ازلی شے کی نفس تعریف کے تابع ہوتا ہے،

تشریح:- چونکہ اس قسم کے وجود کا تعقل ماہیت شے کی طرح بہ حیثیت ایک ازلی صداقت کے ہوتا ہے، اسلیے اس کی تشریح مرور یا زمان سے نہین ہو سکتی، خواہ اس مرور کو ابتدا و انتہا کے بغیر ہی کیون نہ تصور کیا جائے،

علوم متعارفہ

۱- جو چیز موجود ہے، وہ یا تو بالذات موجود ہوگی یا بالغیر،

۲- جس شے کا تعقل کسی دوسری شے کے ذریعہ سے نہین ہو سکتا، اس کو لازماً متعقل بالذات ہونا چاہیے

۳- متعین علت وجوباً اپنے معلول کو مستلزم ہوتی ہے، اور بالعکس اگر کوئی متعین علت نہو تو معلول کا وجود ناممکن ہے،

۴- معلول کا علم علت پر موقوف اور اس کو مستلزم ہوتا ہے،

۵- جن چیزون مین کوئی ما بہ الاشتراک نہین ہوتا، وہ ایک دوسری کے ذریعہ سے نہین جانی جا سکتین - اور ایک کا تعقل دوسری کے تعقل کو مستلزم نہین ہوتا،

۶- سچا تصور ہمیشہ اپنی اصل یا شے کے مطابق ہوتا ہے،

۷- جس شے کو ناموجود تصور کیا جا سکتا ہے، اس کی حقیقت، وجود کو مستلزم نہین ہوتی،

احکام

دعویٰ ۱:- جوہر اپنے اعراض پر بالطبع مقدم ہوتا ہے،

ثبوت:- یہ حد ۳ و ۵ سے ظاہر ہے،

دعویٰ ۲:- دو مختلف الصفات جواہر مین کوئی شے ما بہ الاشتراک نہین ہوتی،

ثبوت:- یہ بھی حد سوم سے ظاہر ہے، کیونکہ ہر جوہر کو موجود و متعقل بالذات ہونا چاہیے، بہ الفاظ دیگر یون کہو، کہ ایک کا تعقل دوسرے کے تعقل کو مستلزم نہین ہے،

دعویٰ ۳:- جن چیزون مین کوئی ما بہ الاشتراک نہین ہوتا، وہ ایک دوسری کی علت نہین ہو سکتین،

ثبوت:- اس لیے کہ اگر ان مین کوئی ما بہ الاشتراک نہو، تو ایک کو دوسری کے ذریعہ سے نہین جانا جا سکتا (علوم متعارفہ ۵) اور اسی لیے ایک دوسری کی علت نہین ہو سکتی (ع[1] ۴)،

[1] ع سے مختصراً علوم متعارفہ مراد ہے،

دعویٰ :- دو یا زیادہ ممتاز چیزون مین ایک کا دوسری سے منشاء امتیاز یا تو ان کا اختلاف صفات
ہوتا ہے یا اختلاف اعراض،

ثبوت :- کیونکہ جو چیز موجود ہے، وہ یا موجود بالذات ہوگی یا موجود بالغیر (ع-۱) یعنی (حد ۳ و ۵)
فہم کے ماسوا بجز جوہر اور اسکے اعراض کے کوئی شے موجود نہین ہے۔ لہذا علاوہ فہم کے بجز
جواہر یا بالفاظ دیگر اُن کے صفات و اعراض (ع - ۴) کے اور کوئی ایسی شے نہین ہے
جس کی بنا پر مختلف چیزین ایک دوسری سے ممتاز ہوسکین،

دعویٰ ۵ :- ایک ہی حقیقت یا صفت کے دو یا دو سے زائد جواہر کا وجود ناممکن ہے،

ثبوت :- اس لیے کہ اگر متعدد ممتاز جواہر مانے جائین، تو ان مین ایک کا دوسرے سے امتیاز یا تو
اختلاف صفات پر مبنی ہوگا یا اختلاف اعراض پر (دعویٰ) اگر صرف اختلاف صفات پر
مبنی ہے، تو ماننا پڑیگا، کہ ایک صفت کا بہرحال صرف ایک ہی جوہر ہے، اور اگر یہ امتیاز
اعراض پر مبنی ہے، تو چونکہ جوہر بالطبع اپنے اعراض پر (زماناً) مقدم ہوتا ہے، (دعویٰ ۱)
اس لیے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ ان اعراض سے قطع نظر کرکے بالذات جوہر کو، کہ وہی
حقیقی جوہر ہے (حد ۳ و ۶) ایک کو دوسرے سے مختلف نہین تصور کیا جاسکتا یعنی (دعویٰ)
متعدد جواہر نہین مانے جاسکتے، بلکہ جوہر ایک اور صرف ایک ہے،

دعویٰ ۶ :- ایک جوہر دوسرے جوہر کا مخلوق نہین ہوسکتا،

ثبوت :- کیونکہ عالم مین دو جوہر ہم صفت، یعنی ایسے نہین پائے جاسکتے، کہ جن مین باہم کوئی شے
مشترک ہو (دعویٰ ۵) اور اس لیے (دعویٰ ۳) نہ ایک جوہر دوسرے کی علت ہوسکتا ہے اور
نہ ایک جوہر دوسرے کا مخلوق ہوسکتا ہے،

تفریع :- اسی سے لازمی نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے، کہ جوہر اپنی ذات سے خارج کسی شے کا مخلوق نہین ہوسکتا

کیونکہ عالم مین بجز جواہر اور ان کے اعراض کے اور کچھ نہین ہے (جیسا کہ ع ۱، اور حد ۳
و ۵ سے ظاہر ہے) لیکن یہ ابھی (دعویٰ) ثابت ہوچکا ہے، کہ ایک جوہر دوسرے جوہر کا
مخلوق نہین ہوسکتا، لہذا یہ اپنی ذات سے خارج کسی شے کا مخلوق نہین ہوسکتا۔ قطع نظر اسکے
یہ نتیجہ ایک تناقض کی بنا پر اور زیادہ آسانی سے ثابت ہوجاتا ہے کیونکہ جوہر اگر کسی خارجی
علت کا مخلوق ہو، تو لازماً اس کا تعقل علت کے تعقل پر موقوف ہوگا (ع-۴) جس کے معنی
(حد ۵ کے مطابق) یہ ہین، کہ یہ سرے سے جوہر ہی نہ رہے گا،

دعویٰ ۷ :- وجود، جوہر کی ذات مین داخل ہے۔ (یعنی جوہر واجب الوجود ہے[1])

ثبوت :- چونکہ جوہر کسی خارجی شے کا مخلوق نہین ہوسکتا (تفریع، دعویٰ) اس لیے لازماً اس کو آپ
اپنی علت ہونا چاہیے یعنی اس کی ماہیت بالضرورت اس کے وجود کو مستلزم ہے، یا اسی کو
یون کہو کہ وجود اس کی ذات مین داخل ہے،

دعویٰ ۸ :- ہر جوہر بالضرورت نامحدود ہے،

ثبوت :- چونکہ ایک صفت کا ایک ہی جوہر ہوسکتا ہے، اور چونکہ وجود جوہر کی ذات مین داخل
ہے (دعویٰ) اسلیے دو ہی صورتین ہین، یا تو یہ محدود ہوکر موجود ہوگا یا نامحدود ہوکر لیکن
محدود ہوکر اس لیے نہین موجود ہوسکتا، کہ اس صورت مین (مطابق حد ۲) اس نوعیت کے
دوسرے جوہر سے اس کا محدود ہونا لازم آئیگا، یعنی دو جوہر ایک ہی صفت کے پائے
جائینگے، جو محال ہے (دعویٰ ۵) لہذا یہی صورت رہجاتی ہے کہ جوہر بالضرورت نامحدود ہو،

یہی نامحدود، واجب الوجود، غیر مخلوق، اور واحد ذات یا جوہر، اسپنوزا کی فلسفیانہ

[1] قوسین کی عبارت راقم ہذا کا اضافہ ہے،

اصطلاح مین خدا ہے۔ جب اس جوہر یا خدا کے علاوہ کوئی دوسرا جوہر یعنی کوئی دوسری موجود و قائم بالذات شے نہین موجود ہے، تو ظاہر ہے، کہ "عالم مین جو کچھ بھی ہے، وہ خدا ہی کے اندر ہے اور خدا کے بغیر نہ کوئی شے موجود ہو سکتی ہے، اور نہ متعقل" (دعویٰ ۱۵) عالم مین دو ہی چیزین پائی جا سکتی ہین، جواہر و اعراض۔ (ع-۱) لیکن جوہر حقیقی معنی مین چونکہ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے، اس لیے باقی جو کچھ ہے، وہ سب عرض ہی عرض ہے، اور عرض کا وجود و تعقل بذات خود نہین ہوتا لہذا خدا کے بغیر نہ کسی شے کا وجود ممکن ہے، اور نہ تعقل۔ خدا ہی تمام چیزون کی علت ہے۔ لیکن یہ علت ان چیزون سے خارج نہین، بلکہ انہی کے اندر ہے (دعویٰ) اسلیے، کہ جب تمام چیزین خدا ہی کی ذات کے ساتھ قائم ہین، اور کسی چیز کا وجود یا تعقل بغیر خدا کے نہین ہو سکتا، تو خدا کسی چیز سے خارج وما ورا کیسے ہو سکتا ہے۔ نہ کوئی شے خدا سے باہر ہے، اور نہ خدا کسی شے سے باہر ہے،

"خدا عالم کی اُسی طرح علت ہے، جس طرح کہ سیب اپنی سرخی کی، جس طرح دودھ اپنی سفیدی، شیرینی یا مائیت کی، نہ کہ جس طرح باپ اپنی اولاد کی، یا آفتاب اپنی حرارت کی، کیونکہ باپ اپنی اولاد کی علت خارجہ ہے، یعنی اولاد سے علیحدہ و منفصل اپنا ایک وجود رکھتا ہے، علیٰ ہذا آفتاب کی حرارت گو آفتاب سے وابستہ ہے، تاہم یہ اپنے پیدا کرنے والے ستارہ (آفتاب) سے ایک جداگانہ و خارجی وجود رکھتی ہے"[1]۔ اسپنوزا کے ہندسی طرز تعبیر مین یون کہنا زیادہ موزون ہوگا، کہ خدا عالم کی اسی طرح علت ہے، جس طرح کہ مثلث اس بات کی کہ اُس کے تین زاویے دو قائمون کے برابر ہوتے ہین۔ یعنی جس طرح مثلث کی نفس ذات یا حقیقت مثلثی کا یہ لازمہ ہے، کہ اس کے تین زاویے دو قائمون کے برابر ہون، اسی طرح ساری کائنات یا اعراض و ظواہر حقیقۃ الٰہیہ کے لازمی نتائج یا شیون و احوال ہین،

[1] "تاریخ فلسفہ" از ویبر صفحہ ۳۳۵

اور جس طرح زوایائے مثلث کا دو قائمون کے برابر ہونا واجب و ناگزیر ہے، جس کے خلاف ہونا ممکن ہی نہین، اسی طرح خدا کے تمام معلولات بھی واجب و ناگزیر ہین۔ یعنی کائنات یا مخلوقات الٰہی کی جو موجودہ صورت ہے، وہی ممکن تھی، اور اس کے خلاف کسی اور نوعیت کے عالم یا کائنات کا ظہور ذات باری سے ناممکن تھا۔ (دعویٰ) کیونکہ عالم کی تمام چیزون کا منشا و مبدا صرف ذات باری ہے، جو اپنی حقیقت کے لحاظ سے غیر متغیر ہے، لہذا اگر کائنات کی موجودہ صورت و ترتیب کے علاوہ کوئی اور ترتیب و نوعیت ہوتی تو خدا کا اپنی ذات و حقیقت سے تخلف لازم آتا، اور یہ متخلف حقیقت بھی بالضرورت موجود ہوتی، بالفاظ دیگر یون کہو، کہ دو یا دو سے زائد خدا موجود ہوتے، اور یہ محال ہے، اس لیے لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے، کہ موجودہ نظام کائنات۔ مختلف کسی نظام کا ظہور ذات باری سے ناممکن تھا۔ بے شک خدا فاعل مختار ہے، لیکن اختیار کے معنی یہ ہین، کہ اس کے افعال اُسکی ذات و حقیقت سے خارج کسی شے کے پابند نہین ہین وہ جو کچھ کرتا ہے، خود اُسی کی ذات کا اقتضا ہوتا ہے۔ اور مجبوری یا عدم اختیار نام ہے اپنی ذات سے ماورا کسی شے کے محتاج یا پابند ہونے کا،

ماحصل یہ کہ خدا واجب الوجود ہے، واحد ہے، نامحدود ہے، غیر متعین ہے، وہ تمام چیزون کا فاعل مختار ہے، یعنی اُس کے تمام افعال خود اُسی کی ذات و ماہیت کے ساتھ وجوباً وابستہ ہین، وہ جو کچھ کرتا ہے اُس مین اپنی حقیقت سے ماورا کسی شے کا قطعاً محتاج و پابند نہین، تمام چیزین خود اسی مین ہین اور اسی کی ہستی پر تمام تر موقوف ہین، جس کے بغیر نہ اُنکا وجود ممکن ہے اور نہ تعقل۔

جب صرف خدا ہی خدا موجود ہے، جس مین نہ تغیر ہے، نہ تعین، نہ کثرت ہے، نہ تنوع، تو پھر عالم مین جو نیرنگیان ہم کو نظر آتی ہین، ان کی کیا توجیہ ہے، اور یہ ظاہری کثرت اس حقیقی

وحدت سے کیونکر باخود ومستفاد ہے؟

ڈیکارٹ کے نزدیک خدا یا حقیقی جوہر کے علاوہ "فکر" و "امتداد" دو مخلوق یا ثانوی جواہر کا بھی وجود تھا، باقی تمام نفسی وجسمی حوادث وتغیرات، انہی دو جوہرون کے مختلف احوال واشکال ہین، نفس وجسم، ذہن وخارج، ذات وماسوی الذات یا فکر وامتداد کے کم ازکم محسوس اختلاف کا اقرار ناگزیر ہے، لیکن اسپنوزا کے نزدیک چونکہ تعدد جواہر قطعاً ناممکن تھا اور خالق سے جدا گانہ مخلوق کا کوئی وجود نہین ہوسکتا تھا، اس لیے اُس نے فکر وامتداد کو مخلوقات خدا کے بجائے صفات خدا سے تعبیر کیا ہے، کہ صفت کا وجود اپنے موصوف سے منفصل نہین ہوتا. روح اور مادہ کی ساری محسوس کائنات، انہی دو صفات کے احوال وشئون ہین،

لیکن جہان کوئی شے کسی صفت سے متصف ہوئی، اُس کا تعین وتشخص لازم آجاتا ہے، حالانکہ خدا یا جوہر کو فی حد ذاتہ تمام تعینات وتشخصات سے مجرد ومنزہ مانا جاچکا ہے بلکہ اسپنوزا کے مشہور اصول کے مطابق "تعین نفی وجود ہے" اس تناقض کو شارحین نے عام طور پر صفت کی اس تعریف سے رفع کیا ہے، کہ "صفت سے میری مراد وہ شے ہے، جس کو ذہن کسی جوہر کی حقیقت یا ماہیت خیال کرتا ہو" (حد۔۴) اس تعریف کی بنا پر صفت کے یہ معنی نہین رہتے کہ جو کسی ذات یا موصوف کے ساتھ قائم ہو، بلکہ اس سے مقصود انسانی فہم یا ذہن کی وہ صورت ہے، جس مین وہ خدا کو دیکھتا ہے. جس طرح دودھ کو شیرین کہنے کا یہ مطلب نہین ہوتا کہ شیرینی کی وہ صفت جس سے ہمارا ذائقہ لذت اندوز ہوتا ہے، خود دودھ مین موجود ہے، بلکہ اس ذائقہ ولذت کا وجود تمام تر ہمارے ذہن کی ایک کیفیت احساس ہے، جس کے ساتھ یہ ذہن دودھ کو محسوس کرتا ہے. اسی طرح فکر وامتداد خدا کے ساتھ نہین قائم ہین بلکہ صرف ہمارے ذہن کی وہ مختلف صورتین ہین، جن کے ساتھ ہم خدا کا تصور کرتے ہین. گویا ذہن ایک رنگین عینک ہے، جس کو لگا کر بے رنگ چیزین بھی

رنگین نظر آنے لگتی ہین،

خدا بذات خود کوئی رنگ یا صفت نہین رکھتا، البتہ ہم جب اس کا تصور کرتے ہین، تو کسی نہ کسی صفت یا صورت ذہنیہ کے ساتھ متصف ومصور ہی کرکے کرسکتے ہین. زیادہ صحیح طور پر یون کہو کہ خدا کے صفات خود اُس کی حقیقت کا آئینہ نہین ہوتے، بلکہ یہ عبارت ہین اس نسبت سے جو خدا کی ذات اور اس کے خیال کرنے والے ذہن کے مابین قائم ہوتی ہے، اور جو اپنے وجود مین نسبت کے دونون اطراف کی کچھ نہ کچھ جھلک رکھتی ہین. یا یہ کہو، کہ صفت سے مراد خود خدا کی صفت نہین ہے، بلکہ وہ صفت جس کے ساتھ ذہن خدا کو موصوف کرتا ہے یا متصف سمجھتا ہے،

ان صفات کو مین نے ذات اور ذہن کی اپنی نسبت سے اس لیے تعبیر کیا کہ اگر زبردستی کی کھینچ تان سے کام نہ لیا جائے، تو یہ کہنا صحیح نہین، کہ اسپنوزا جن چیزون کو صفات باری قرار دیتا ہے، وہ اس کے نزدیک تمام تر صرف انسان کے ذہنی تصورات ہین جن کا خود ذات باری مین قطعاً کوئی وجود نہین، بلکہ "اخلاقیات" کے حصۂ دوم مین پہلا اور دوسرا صریح دعوی یہ موجود ہے، کہ "فکر خدا کی صفت ہے، یعنی خدا ایک ذی فکر یا خیال کرنے والی شے ہے"، اسی طرح یہ کہ "امتداد خدا کی صفت ہے، یعنی خدا ممتد شے ہے" لیکن ساتھ ہی اسپنوزا جابجا یہ بھی کہتا جاتا ہے، کہ گو ان دونون صفات کا فی الواقع علیحدہ علیحدہ تعقل ہوتا ہے، تاہم ان کو دو مختلف حقائق ہرگز نہ خیال کرنا چاہیے" دراصل یہ دونون ایک ہی حقیقت یا روشنی کے مختلف انعکاسات ہین، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ دونون ایک شے کے صرف دو نام ہین، بالکل اُسی طرح، جس طرح، کہ ایک ہی شخص کا نام اسرائیل بھی تھا اور یعقوب (حضرت یوسف کے والد) بھی[1]

لہذا ان دونون بظاہر متناقض باتون مین تطبیق کی ممکن صورت یہی نظر آتی ہے،

[1] الگزنڈر کی "تاریخ فلسفہ" ص ۲۱۹،

کہ صفات خدا کو خدا کی ذات اور اس کے خیال کرنے والے ذہن کی مابینی نسبت قرار دیا جائے جس مین نسبت کے دونون اطراف کی کچھ نہ کچھ جھلک موجود ہونا ضروری ہے، یعنی نہ فکر و امتداد تمام تر ذہنی اختراع و تصور ہین، اور نہ جس فکر و امتداد کا ہم بحیثیت صفات خدا کے تصور کرتے ہین بعینہٖ یہی خدا کی ذات مین موجود ہین، بلکہ خدا کی ذات کسی نہ کسی نامعلوم طریقہ سے ان صفات کا صرف منشا[1] ہے،

اسپنوزا نے ایک اور اصول یہ قائم کیا ہے، کہ "جو شے جس قدر زیادہ حقیقت یا وجود پر مشتمل ہوتی ہے، اسی قدر زیادہ تعداد مین اس کے صفات بھی ہوتے ہین۔" (دعویٰ، حصۂ اول)

ظاہر ہے، کہ ہر صفت اپنے موصوف کی کسی نہ کسی حقیقت پر دلالت کرتی ہے، یعنی ہر ذات کا تعقل کسی نہ کسی صفت ہی کے واسطہ سے ہو سکتا ہے، اور اس ذات کا وجود یا اس کی حقیقت، اپنی تعداد صفات کے مناسب ہوتی ہے۔ لہذا نہایت مین نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ ایک علی الاطلاق نامحدود ذات کو لازماً نامحدود صفات پر مشتمل ہونا چاہیے، جن مین ہر صفت ایک خاص ازلی و نامحدود حقیقت کی مظہر ہوگی۔" (تشریح، دعویٰ)۔ اسی بنا پر خدا کی تعریف یہ کی گئی ہے، کہ "وہ علی الاطلاق نامحدود یعنی ایک نامحدود الصفات ہستی یا جوہر ہے"،

لیکن انسان ان نامحدود صفات مین سے صرف فکر و امتداد دو ہی صفات کا علم رکھتا ہے، انسان کے ذہن کی جو ساخت ہے، اس سے مختلف ساخت کے اگر اور اذہان موجود ہوتے یا ہون تو ان کو دیگر صفات کا بھی ادراک ہوگا، یعنی جتنے مختلف الاقسام اذہان ہون اتنے ہی مختلف الاقسام عوالم موجود ہو سکتے ہین۔ اگر کوئی ذہن امتداد یا مادہ کا تعقل نہ رکھتا ہو، تو اس کا عالم تمام تر روحانیات و مجردات کا عالم ہوگا، غرض جتنے بے شمار انواع ذہن تصور کیے جا سکتے ہین

[1] اسپنوزا کا مفہوم کچھ بھی ہو، لیکن جہانتک مین سمجھتا ہون، وحدۃ الوجود کی صورت مین صفات و شئون کی ایسی توجیہ جو انسان کے لیے کچھ قابل فہم ہو یہی ہو سکتی ہے، کہ صفات باری کو ذات باری اور ہمارے ذہن کی بین مابینی نسبت قرار دیا جائے،

اتنے ہی بے شمار خدا کے صفات ہین،

انسان خود دو[2] صفات باری یعنی جسم (امتداد) و روح (فکر) کا مظہر ہے، اس کو صرف انہی دو کا علم ہو سکتا ہے۔ اور گو یہ صفات بظاہر مختلف بلکہ ایک دوسرے سے متضاد معلوم ہوتے ہین لیکن چونکہ فی الواقع یہ ایک ہی ذات کے مختلف و متوازی صفات ہین اس لیے ان دونون کا عمل بھی باوجود اختلاف کے متوازی ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک ہی حقیقت جسم و نفس کے دو متوازی افعال کی صورت مین ظاہر ہوتی رہتی ہے، جسم کا فعل نفس کے فعل کا مبنی ہوتا ہے اور نفس کا فعل جسم کے فعل کا،

اس طرح نفس و جسم کے مابین تضاد کی جو ناقابل عبور خلیج ڈیکارٹ نے حائل کر دی تھی، وہ ان دونون کو ایک تیسری حقیقت کے صفات مان لینے سے پایاب ہو جاتی ہے۔ اور اجسام کے نفوس یا نفوس کے اجسام پر عمل کی ایک قابل فہم توجیہ ہاتھ آ جاتی ہے،

"گشت رازدگر آن راز کہ افشا می کرد"، مانا کہ اسپنوزا نے نفس و جسم کی بیگانگی کا پردہ اٹھا دیا اور فکر و امتداد کے تاثیر و تاثر یا باہمی تعامل کی گرہ کھل گئی۔ لیکن ساتھ ہی ان کے تحدید و تعیین کی ایک نئی گتھی پڑ جاتی ہے۔ فکر یا امتداد کسی ایک خاص حالت و صورت کے اندر محدود نہین، بلکہ ان مین سے ہر ایک کے بے شمار تعینات ہین۔ امتداد کہین میز کی صورت رکھتا ہے کہین کتاب کی، کہین وہ شجر ہے، کہین حجر، کہین انسان ہے، کہین حیوان، کہین گل ہے، کہین خار، اسی طرح فکر (نفس)، کبھی احساس کے لباس مین ظاہر ہوتی ہے، کبھی جذبہ کے، کبھی وہ عقل ہے، کبھی ارادہ۔ ان تعینات سے بھی آگے ایک درجہ تشخصات کا ہے۔ اس وقت میری فکر کا تعلق اس زیر تحریر مضمون سے ہے، لیکن اس سے پہلے وہ ایک خاص خانگی تردد یا کسی سیاسی مسئلہ مین الجھی ہوئی تھی۔ وہ امتداد جو جسم انسانی کی صورت مین رونما ہے، اس کا تشخص ایک مین ہون

ایک تم، ایک زید، ایک عمر، ایک بکر، دراصل عالم نام ہی ہے، اجسم ونفس کے نامحدود تعینات وتشخصات کا،
لیکن خدا کی ذات تعین وتشخص سے بری ہے، اُس کے صفات فکر وامتداد بھی نامحدود ونامتعین ہیں،
جب خدا کی ذات وصفات، بلکہ صرف ایک ذات واحد ونامحدود کے سوا کچھ نہیں موجود ہے تو پھر یہ ہنگامۂ
کثرت وتحدید کہاں سے آیا؟

”جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ یہ خدا کیا ہے؟“

ظاہر ہے، کہ اسپنوزا کے پاس اس ہنگامہ کی اس کے سوا اور کیا تاویل وتوجیہ ہوسکتی تھی،
کہ تمام تعینات ایک ہی بحر ہستی کی مختلف امواج ہیں، انہی امواج کا نام اسنے احوال وشئون (موڈس)
یا اعراض رکھا ہے، ”عرض سے میری مراد جوہر کے احوال وشئون یا وہ چیزیں ہیں، جو کسی دوسری
چیز میں ہوکر پائی جاتی ہیں، اور اپنے تعقل میں اس کی محتاج ہوتی ہیں،“ جوہر ایک ہی ہے باقی
سارے تعینات صرف عرضی یا اعتباری وجود رکھتے ہیں، جو نفی وعدم کے برابر ہیں - یہی معنے ہیں
اُس کے اس مشہور مقولہ کے کہ ”تعین نفی ہے“، دریا کے ہر حصہ میں گوناگون لہریں اُٹھتی رہتی ہیں
اور پھر اسی میں فنا ہوجاتی ہیں - خدا وجود وہستی کا ایک بحر بیکران ہے، جس کے اندر لازماً بیحد
بے شمار موجیں اُٹھتی اور فنا ہوتی رہتی ہیں - بذات خود ان موجوں کا کوئی وجود نہیں، لیکن اپنے
محل ومبدء کے اعتبار سے یہ اسی طرح ازلی وابدی، نامحدود ونامتناہی ہیں، جس طرح خود وہ
بحر ہستی، جو ان کا مبدء ومحل ہے،

یہی معنے ہوسکتے ہیں، جس کی بنا پر اسپنوزا، احوال وشئون کو باوجود ان کے تعین و
تحدید کے، جا بجا نامحدود بھی کہتا جاتا ہے - اس لیے کہ جو چیز کسی نہ کسی حد تک اور کسی نہ کسی حیثیت سے
ایک ازلی ونامحدود ہستی میں موجود یا اُس کے ازلی ونامحدود صفات کا ظہور ہے، وہ لازماً خود
بھی ازلی ونامحدود ہوگی - (دیکھو - دعوےٰ)

سچ پوچھو تو وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں سب سے زیادہ نازک وعسیر الفہم مقام کارخانۂ فطرت
کے حوادث وتعینات یعنی احوال وشئون (موڈس) ہی کا ہے، کہ ان کو متعین بھی ماننا پڑتا ہے اور
نامتعین بھی، محدود بھی اور نامحدود بھی، حادث بھی اور قدیم بھی، فانی بھی اور باقی بھی، موجود بھی
اور معدوم بھی - اس اجتماع نقیضین کا سمجھنا عام انسانی منطق کے لیے ظاہر ہے، کہ نہایت ہی دشوار
ہے - اور ذہن بالآخر تعینات کو تعینات، یعنی متعین ومحدود ہی سمجھنے پر مضطر ہے - اسی بنا پر کہا گیا
ہے، کہ اسپنوزا کا جوہر مشہور حکایت کے شیر کا ماند ہے، جس میں جانے والے آثار قدم تو بیت
دکھائی دیتے ہیں، لیکن لوٹنے والا نقش قدم کوئی نہیں نظر آتا - مقصود یہ ہے، کہ اس جوہر میں تمام
تعینات کی ہستی گم تو ہوجاتی ہے، لیکن ان تعینات کو تعینات ہی سمجھ کر اس جوہر سے اخذ واستنباط
کا کوئی راستہ نہیں ملتا -

اصل یہ ہے، کہ یہ مقام عام انسانی منطق سے ہے بھی ماورا، جہاں کی باتیں زمان ومکان
والی منطق سے نہیں سمجھ میں آسکتیں - کیونکہ یہ تعینات وحوادث جس غیر متعین وغیر حادث ذات کے
شئون واحوال ہیں، وہ خود زمان ومکان سے ماورا ہے - پھر اس حقیقت مطلقہ اور وجود بحت
کے احوال کو الفاظ کے ذریعہ سے صحیح طور پر ادا کر سکنا تو اور بھی ناممکن ہے - خود اسپنوزا نے
بھی علم کے تین مراتب قرار دیے ہیں[1]، اور لکھا ہے، کہ حقیقت اشیا یا ذات باری کا اصلی وصحیح
علم حواس اور عقل واستدلال (جو علم کے ابتدائی دو مراتب ہیں) سے نہیں بلکہ وجدان یا بصیرت
(Intuition) سے حاصل ہوتا ہے،

بصیرت سے مراد وہ علم ہے، جو حواس یا عقل واستدلال کی وساطت کے بغیر از خود براہ راست
وبلا واسطہ وجدانی طور پر دفعۃً حاصل ہوجاتا ہے صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو مکاشفہ یا معرفت کے

[1] ”اخلاقیات“ حصۂ دوم - دعوےٰ تعلیق،

نام سے تعبیر کر سکتے ہو، یہی معرفت یا وجدانی علم اسپنوزا کے نزدیک سب سے زیادہ حقیقی و اعلیٰ ترین مرتبۂ علم ہے۔ اسی سے انسان کو ممکن ترین طمانیت و تشفی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی علم انسانی سعادت کا سرچشمہ ہے۔ اور اسی علم سے "حقیقت الٰہیہ" کی نسبت یہ جاننا، کہ وہی اور صرف وہی تمام کائنات کا مبدء و منشا ہے، جس کے ماورا کچھ نہیں، اور جس کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، اخلاق کی غایت قصویٰ اور راس الفضائل ہے،

اگرچہ فلسفہ کی دنیا مین اسپنوزا کے فلسفیانہ وحدۃ الوجود کو جو اہمیت حاصل ہے وہ زیادہ تر اس کے مابعد الطبعیاتی نقطۂ نظر پر مبنی ہے، اور صفحات بالا کی اصل غرض اسی نقطۂ نظر کو پیش کرنا تھا۔ لیکن خود اسپنوزا کی اصلی غرض مابعد الطبعیات سے زیادہ اخلاقیات کا ایک نظریہ قائم کرنا تھی، جیسا کہ اُس کی کتاب کے نام "اخلاقیات"، سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا چند سطرون مین اس فلسفۂ وحدۃ الوجود کے اخلاقی نتائج پر سرسری نظر ضروری ہے،

اخلاقیات کی غایت راس الفضائل یا معیار خیر و شر کا معلوم کرنا ہے۔ اسپنوزا کے فلسفہ کی رو سے یہ راس الفضائل ذات باری کا صحیح علم و تصور ہے۔ یہی علم خیر و شر کا معیار ہے، جو شے اسکے حصول مین معین ہو، وہ خیر ہے، جو مزاحم ہو وہ شر ہے،

جب انسان نے صحیح علم کے ساتھ یہ جان لیا، کہ کوئی شے، کوئی فعل، کوئی واقعہ خدا کی ذات سے الگ نہین ہے، نہ وہ کسی شے سے الگ ہے۔ جو کچھ ہے یا ہوتا ہے، سب کچھ اسی کی عین ذات و حقیقت کا اقتضاء لازمہ ہے، جس طرح دائرہ کی غرض و غایت یہ نہین ہوتی کہ مرکز سے جتنے مستقیم خطوط کھینچے جائین، سب آپس مین برابر ہون، بلکہ ایسا ہونا خود اُس کی حقیقت مین داخل ہے، اسی طرح واقعات عالم بھی کسی غرض و غایت پر مبنی نہین ہین، بلکہ تمام تر ذات باری کے وجوبی مقتضیات

اور اٹل احوال و شئون ہین، جن کے خلاف کچھ ہونا ناممکن محض ہے۔ تو پھر کسی واقعہ پر رنج و غم خوشی و مسرت، غیظ و غضب، نفرت و حقارت کے کیا معنی ہو سکتے ہین،

جس طرح یہ واقعہ کہ دائرہ کے تمام قطر مساوی ہوتے ہین، نہ غم کی شے ہے، نہ خوشی کی نہ محبت کی نہ نفرت کی، اسی طرح کائنات کے ہر واقعہ کو حقیقت خداوندی کا لازمی نتیجہ جان لینے کے بعد جذبات کی غلامی سے رہائی ملجاتی ہے اور نفس کو رضا بہ قضا کی ایک مستقل طمانیت حاصل ہو جاتی ہے، رضائے الٰہی یا قوانین قدرت کے سامنے اس طرح سر تسلیم خم کر دینے کو اسپنوزا خدا کے ساتھ عقلی محبت کہتا ہے۔ یہی محبت ابدی سعادت یا اخلاقی کمال ہے،

انسان اپنے کو فاعل مختار اس لیے خیال کرتا ہے، کہ اپنے افعال کی علت سے ناواقف ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص اس علت سے آگاہ ہے، اور جانتا ہے، کہ اُس کے نفسی و جسمی تمام افعال و حالات ذات باری کے وجوبی شئون و احوال ہین، اس کے لیے نہ کوئی شے نفرت و حقارت کا باعث ہو سکتی ہے، نہ غم و الم کا۔ اسی بنا پر اس کے نزدیک نہ صرف غیظ و غضب، بغض و حسد وغیرہ اخلاقی رذائل مین داخل ہین، بلکہ امید و بیم رحم و ندامت وغیرہ بھی کمال اخلاق سے فروتر جذبات ہین،

انسان کی آزادی و نجات صرف اس مین ہے، کہ وہ ہر قسم کے جذبات سے، جن کی بنا حواس کے غلط علم پر ہے آزاد ہو جائے، اور علم کے اُس تیسرے یا اعلیٰ ترین مرتبہ تک پہونچ جائے جہان کامل اذعان و یقین کے ساتھ ہر شے خدا کے اندر نظر آتی ہے۔ یعنی اخلاقی زندگی کا کمال یا معراج سعادت یہ ہے، کہ ہر چیز کا مبدء خدا کو جانکر خدا سے محبت کرو اور ہر حال مین مطمئن رہو،[1]

[1] اسپنوزا کے نظریۂ اخلاق کا یہ نہایت ناتمام خلاصہ ہے، زیادہ تفصیل ضمنی بحث کی گنجائش سے باہر ہے، صحیح طور پر اسکے اخلاقی نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے خصوصیت کے ساتھ "اخلاقیات" کے آخری حصص اور ایک دوسری کتاب "رسالۂ سیاسیہ" کیطرف رجوع کرنا چاہیے،

مباحث بالا سے اسپنوزا کے مابعد الطبیعیات و اخلاقیات کا ماحصل یہ نکلا، کہ

(۱) انسان کا ذہن موجود و مستقل بالذات ہستی ایک ہی مان سکتا ہے۔ اور وہ خدا ہے،

(۲) باقی جو ان گنت موجودات نظر آتے ہین، اُنکا بذات خود مستقلاً کوئی وجود نہین، بلکہ اُسی ایک ہستی کے صفات وشئون ہین،

(۳) اس واحد و نامحدود ہستی کے صفات بھی قدرۃً نامحدود ہین۔ لیکن انسان کے محدود ذہن کو ان مین سے صرف دو صفات یعنی فکر و امتداد کا علم حاصل ہے۔ اور انسان کی دنیا انہی دو صفات کے احوال وشئون سے عبارت ہے،

(۴) اجسام صفتِ امتداد کے احوال وشئون ہین اور نفوس، صفتِ فکر کے.

(۵) ذات باری یا وحدۃ مطلقہ کے یہ تمام صفات وشئون، اسی طرح اُس کی حقیقت کا عین اقتضا ہین، جس طرح ہندسی اشکال و نتائج خطوط و سطوح وغیرہ کی ماہیت کے وجوبی نتائج ہوتے ہین۔ جن کے خلاف ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ یعنی عالم امکان کا کوئی وجود نہین سب کچھ وجوب ہی وجوب ہے،

(۶) ظاہر ہے کہ ایسی صورت مین اخلاقی تعلیم اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے، کہ اس جوب کے سامنے رضا و تسلیم کا سر جھکا دیا جائے۔ کہ اسی سے انسانی سعادت و نجات ممکن ہے،

اسپنوزا کے اس فلسفۂ مابعد الطبیعیات پر یون تو بہت سے اعتراضات کیے جاتے ہین، لیکن اصولی اعتراض سچ پوچھو تو صرف ایک ہی پڑتا ہے۔ یعنی اس نے انسانی ذہن و تعقل کو حقیقت و واقعیت کا معیار قرار دے لیا ہے، جس شے کا ہم واضح طور پر تعقل کرتے ہین وہ حقیقت و واقع مین بھی اسی طرح موجود ہے۔ یہ اصول ڈیکارٹ نے پیش کیا تھا، اسپنوزا نے اسی کو ہندسہ کے قالب مین ڈھال کر زیادہ محکم و استوار بنا دیا، اور ابتدا سے انتہا تک کہین اس سر رشتہ کو ہاتھ سے جانے نہین دیا۔

"ذہنی تصورات کی ترتیب و نوعیت بعینہ وہی ہوتی ہے، جو واقعی چیزون کی ہے" (حصہ دوم دعوٰی) ذہن واقعیت کا آئینہ ہے۔ یہی معنے اُس کے اِس دعوی کے بھی ہین، کہ کسی شے کی صحیح تعریف اسی شے کی واقعی حقیقت ہوتی ہے،

لیکن یہ اعتراض تنہا اسپنوزا پر نہین وارد ہوتا، بلکہ جو شخص بھی مابعد الطبیعیاتی علم کو ممکن سمجھتا ہے، وہ اس اعتراض سے کسی طرح نہین بچ سکتا۔ حواس سے صرف آثار و ظواہر کا علم حاصل ہوتا ہے اور مابعد الطبیعیات نام ہے، آثار و ظواہر سے ماوراء ذوات و اعیان یا حقیقت مطلقہ کے علم کا جس کے لیے بجز ذہنی تعقل کے کوئی دوسرا ممکن معیار رہی نہین جاتا، بالفاظ دیگر یہ کہو، کہ اگر اس اصول یا معیار کو نہ تسلیم کیا جائے، تو فلسفۂ مابعد الطبیعیات قطعاً ناممکن ہو جاتا ہے،

چنانچہ اسپنوزا کے بعد ہی لاک نے جس فلسفہ کی بنیاد رکھی، اور جس کی تکمیل کینٹ نے کی اسکا ماحصل یہی ہے، کہ انسان کا علم اضافی ظواہر و آثار سے آگے نہین جا سکتا، اور حقیقت مطلقہ کی جستجو ایک ناممکن و عبث کوشش ہے،

باقی اگر مابعد الطبیعیات کو ممکن علم خیال کیا جائے، تو پھر بقول لیوس کے تم اسپنوزا کی منطق سے کسی صورت سے گریز نہین کر سکتے، اور اُس نے جو نتائج اخذ کیے ہین، اُن مین تم اس سے زیادہ شک نہین کر سکتے، جتنا کہ اقلیدس مین کر سکتے ہو، اسپنوزا کی فلسفیانہ مزیت یہی ہے، کہ امکان مابعد الطبیعیات کی تہ مین جو اصول مخفی تھا، اس کو ایک مستقل نظام کی صورت دے کر منظر عام پر کر دیا،

---

[1] یہی اصول آگے چل کر ہیگل کا سارا فلسفہ بنگیا۔ [2] دیکھو لیوس کی "سوانحی تاریخ فلسفہ" (بایوگرفیکل ہسٹری اف فلاسفی) ص ۴۳۲-تا ص ۴۳۵،

فاتحِ صقلیہ (سسلی)

یعنی

موجودہ اٹلی کا وہ صوبہ، جس پر مسلمانون نے دو سو برس تک حکومت کی

از مولوی جمیل الرحمٰن صاحب ایم اے پروفیسر تاریخ اسلام جامعۂ عثمانیہ

ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ سے جب ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت مانگی گئی تو آپ نے اس بنا پر اجازت دینے سے انکار کردیا کہ آپ یہ نہین چاہتے تھے کہ عرب اور مسلمانون کے درمیان سمندر حائل ہوجائے۔ اس سے بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ سمندر سے خائف تھے، اور چاہتے تھے کہ مسلمان بحری مقامات پر قبضہ نکرین، اور بحری قوت کی طرف اپنی توجہ کو منعطف نکرین، اس روایت کی صحت یا عدم صحت سے یہان بحث نہین۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا ایسا خیال ہو بھی تاہم اسلامی فتوحات کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے دوران مین اس اصول پر عمل پیرا ہونا ناممکن تھا، خود حضرت عمرؓ ہی کے عہد خلافت مین مسلمانون نے شام فتح کرلیا تھا۔ مگر اس پر قبضہ رکھنا اس وقت تک مشکل بلکہ ناممکن تھا جب تک کہ ساحل شام کیلیے ضروری سامان حفاظت اور اس زمانہ کی سب سے بڑی بحری طاقت یعنی قسطنطنیہ کے جواب مین مسلمان اپنا بیڑا تیار نہ کرلین نیز یہ کہ گرد و نواح کے ان جزائر پر قابض نہوجائین جن سے سواحل شام پر زد پڑنے کا احتمال ہو، شائد انہی وجوہ سے حضرت عثمان غنیؓ نے آخر حضرت امیر معاویہ والئی شام کو سائپرس پر حملہ کرنیکی

اجازت دی اور انہون نے اس جزیرہ کو فتح کرلیا۔ مگر باوجود اس کامیابی کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانون نے اسوقت تک فن جہازرانی مین زیادہ ترقی نہین کی تھی،

فتح مصر کے بعد جون جون مسلمان افریقہ کی طرف بڑھتے گئے۔ اسی طرح ان کے لیے بحری معاملات کی طرف توجہ ضروری ہوتی گئی حضرت عقبہ بن نافع نے افریقہ کے علاقے پر مستقل قبضہ کرلیا اور اسکے کچھ عرصہ بعد موسیٰ بن نصیر نے افریقہ اور مغرب کے تمام ساحلی مقامات کو مسلمانون کے زیر تصرف کردیا نہ صرف یہ بلکہ انھون نے اندلس پر قبضہ کرکے بحیرۂ روم کے تمام جنوبی سواحل پر مسلمانون کا سیاسی اقتدار مستقلاً قائم کردیا، مگر ان مقامات پر بالاستقلال قابض رہنا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک مسلمانون مین اتنی طاقت نہ ہو کہ یورپ کی بحری قوتون کا مقابلہ بخوبی کرسکین عربون مین اچھے جہازران مفقود تھے۔ اس کے برخلاف افریقہ کے باشندے اس فن سے بخوبی واقف تھے، چنانچہ مسلمانون نے ان ہی لوگون کی مدد حاصل کی اور جہازون کا ایک بیڑا تیار کرلیا، آخر رفتہ رفتہ وہ خود اس کام مین اسقدر مشاق ہوگئے کہ افریقہ کے باشندونکی مدد سے بالکل مستغنی ہوکر انہون نے یہ کام مکمل طور پر اپنے ہاتھ مین لے لیا، موسیٰ ابن نصیر کے زمانہ مین تونس افریقہ کا بحری مرکز قرار پایا اور یہین پر انھون نے اپنا "دارالصناعۃ" قائم کیا، موسیٰ ابن نصر کے زمانہ مین مسلمانون نے بحری معاملات مین اسقدر جرأت و استقلال کا اظہار کیا کہ کہنہ مشق ملاح حیران رہ گئے افریقہ مین بحری طاقت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی سلطنت مین بحری محکمہ بالکل ایک الگ حیثیت رکھتا تھا، اور اس کا افسر اعلیٰ "قائد الاساطیل" کہلاتا تھا،

اب سنہ ۹۲ھ کے بعد صورت حالات یہ تھی کہ مسلمان شام سے لے کر سبتہ تک تمام سواحل سمندر پر قابض تھے، اندلس پر قابض ہوجانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بحر اوقیانوس کی

تاکہ بندی ہوگئی تھی، دوسری طرف روڈس اور سائپرس پر قبضہ ہوجانے سے بحیرۂ روم
کا مغربی ساحل بالکل محفوظ تھا، اندلس اور افریقہ کے اسلامی بیڑے، بحیرۂ روم مین منڈلاتے
پھرتے تھے۔ اور یہ سمندر بہئیت مجموعی عربون کی ملکیت مین آگیا تھا، مگر قسطنطنیہ کی رومی
سلطنت اب تک اس قدر ہیچ اور ناکارہ نہین ہوئی تھی کہ مسلمانون کی بڑھتی ہوئی بحری
طاقت کو دیکھتی اور اپنی حفاظت اور مسلمانون کی بیخ کنی کی کوشش نہ کرتی، تمام بحیرۂ روم
مین جزیرۂ صقلیہ ہی اب ایک ایسا مقام تھا جو مسلمانون سے کسی حد تک محفوظ تھا، اور
اس پر قبضہ رکھنا رومیون کے لیے ازبس ضروری تھا، لیکن دوسری طرف اگر مسلمان بحیرۂ روم
مین اپنی بحری طاقت محفوظ رکھنا اور جنوبی یورپ اور بالخصوص اٹلی مین اپنا اقتدار قائم کرنا
چاہتے تھے تو ان کے لیے بھی اس جزیرہ پر قابض ہونا اسیقدر ضروری تھا، چنانچہ یہی جزیرہ
آخر ان دو بحری طاقتون کی زور آزمائی کا میدان قرار پایا،

سیاسی اور تجارتی اغراض کے لیے صقلیہ ایک سرسبز و شاداب جزیرہ ہونے کے
علاوہ بحیرۂ روم کے بالکل وسط مین واقع ہے۔ اور اس لیے کوئی ایسی سلطنت جو بحیرۂ روم
مین اپنا اقتدار قائم رکھنا چاہے اس جزیرہ کو نظرانداز نہین کرسکتی تھی، مزید بران
افریقہ کی سلطنت کے لیے اس پر قبضہ کرنے کے یہ معنی تھے کہ اٹلی اور گرد و نواح کے ممالک
کا دروازہ ان کے لیے کھل جاتا تھا مسلمان صقلیہ کی اس اہمیت سے پوری طرح واقف
تھے۔ چنانچہ سنہ ۳۳ھ ہی سے مسلمانون نے اس پر حملہ کرنے شروع کردیے تھے۔ مگر یہ تمام
حملے محض چھاپے ہی چھاپے تھے، اور مسلمانون نے اس پر مستقل قبضہ کرنے کی جد و جہد
اسوقت تک نہین کی تھی، سنہ ۱۳۵ھ اور بقول بعض سنہ ۱۳۰ھ مین عبدالرحمٰن ابن حبیب
والئ افریقہ نے صقلیہ پر فوج کشی کی اور کچھ فتوحات بھی حاصل کین، مگر اس کے بعد ہی

والیان افریقہ خود اپنے ملک کے فتنہ و فساد مین اس طرح منہمک ہوگئے کہ اُس طرف بالکل توجہ
نہ کرسکے۔ اور اس التوا سے فائدہ اٹھاکر رومیون نے اپنی طاقت کو مجتمع و مستحکم کرلیا، سنہ ۱۹۰ھ
مین ابراہیم ابن الاغلب والئ افریقہ نے دس سال کے لیے رومیون سے صلح کرلی، اور اسکے
بعد ہی خاندان ادریس کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ صقلیہ کے برخلاف مسلمانون کا اجتماع
ناممکن ہے سنہ ۱۹۰ھ مین ابوالعباس بن ابراہیم نے پھر حاکم صقلیہ سے دس سال کے لیے ایک
نیا معاہدہ کیا جس مین تاجرون کی حفاظت کا خاص خیال رکھا گیا تھا، اس معاہدہ کی مدت
ختم ہوجانے کے بعد بنو اغلب کو صقلیہ کی فتح کا مستقل خیال پیدا ہوا، اور خود جزیرہ کے لوگون
نے مسلمانون کو حملہ کرنے کی دعوت دی،

واقعہ یہ تھا کہ سنہ ۲۱۱ھ مین یوفیمیوس نے جس کو عرب فیمی لکھتے ہین صقلیہ مین بغاوت
کی اس سے قبل وہ غالباً بحری جنگ و جدال مین نام پیدا کرچکا تھا، اور اس وقت صقلیہ مین
ایک ممتاز عہدہ پر مامور تھا، یہین اس نے ایک راہبہ کو اپنے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کیا
اور جب اس کے بھائیون نے دربار مین شکایت کی تو وہان سے حکم ہوا کہ فیمی کو گرفتار کرکے
اس کی ناک کاٹ لی جائے، جب یہ حکم صقلیہ پہنچا تو اس وقت فیمی ایک بیڑا لے کر افریقہ کے
ساحل پر چھاپہ مارنے کے لیے روانہ ہوچکا تھا، واپس آنے کے بعد اُسے اطلاع ہوئی کہ اسکی
گرفتاری کا حکم نافذ ہوچکا ہے، یہ سن کر اسنے بغاوت کی اور چند روز مین صقلیہ کا مالک بنگیا،
مگر اب خود اسکا ایک دوست اسکا مخالف ہوگیا، اور آخر فیمی کو صقلیہ چھوڑ کر بنو اغلب کے
کے دربار مین پناہ لینی پڑی، وہ زیادۃ اللہ سے مدد کا طلبگار ہوا، اور وعدہ کیا کہ صقلیہ پر
قابض ہوجانے کی صورت مین وہ بنو اغلب کا باج گذار ہوجائیگا، قیروان کی مجلس شوریٰ
مین فقہا و اکابر سلطنت کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا اور مختلف مشورے دیے گئے،

سحنون ابن قادم نے سخت مخالفت کی اور کہا صقلیہ قسطنطنیہ سے اس قدر قریب اور افریقہ سے
اس قدر دور ہے کہ اگر ہم پرندہ بھی ہون تب بھی اس پر سے نہ اڑ دن اگر قاضی اسد ابن فرات
کے زور دینے پر جنگ کا فیصلہ کیا گیا۔ اور فیمی کو حکم ہوا کہ سوسہ مین جاکر مقیم ہو اور وہین بیڑے
اور فوج کا انتظام کرے، زیادۃ اللہ نے فوج اور بیڑہ تیار کیا اور قاضی اسد ابن فرات ہی کو
اس پر حاکم مقرر کر دیا،

ابو عبد اللہ اسد بن فرات بن سنان مولی بنو سلیم فاتح صقلیہ ابو العرب کے
بیان کے مطابق خراسان کے رہنے والے تھے، ابو سلیمان کہتے ہین کہ وہ ۱۴۲ھ مین
حران کے مقام پر پیدا ہوئے اور جب ۱۴۴ھ مین خلیفہ منصور عباسی نے محمد ابن الاشعث
کو فرقہ صفریہ کی سرکوبی کے لیے افریقہ روانہ کیا تو فرات ابن سنان بھی اسکے لشکر مین شامل
تھے، اور اس طرح دو برس کی عمر مین اسد قیروان پہونچے اور پانچ برس تک وہان رہے،
سات برس کی عمر مین آپ تونس گئے، اور نو برس تک وہان رہے، اٹھارہ برس کی عمر مین
قرآن شریف حفظ کیا، خود انہون نے بیان کیا ہے کہ جوانی کے زمانہ مین ایک مرتبہ انہون
نے خواب دیکھا کہ میری پیٹھ پر گھاس اُگ آئی ہے اور مویشی اس کو چر رہے ہین، تعبیر بتانے
والے نے اس خواب کی یہ تعبیر کی کہ اس لڑکے کو اس قدر علم و فضل حاصل ہوگا کہ دوسرے
اس سے مستفید ہونگے، غالبًا تونس کے نہ سالہ قیام کے بعد جب وہ قیروان واپس آئے تو
انہون نے اس مقام پر علی بن زیاد سے موطا سنی، اس کے بعد انہون نے تحصیل علم کے شوق
مین مشرق کا سفر کیا، اور امام مالکؒ سے ملے عراق مین امام اعظمؒ کے شاگرد دو نین یعنی قاضی
ابو یوسفؒ، اسد ابن عمر اور محمد بن حسن کی صحبت سے مستفید ہوئے، یہین عراق مین حدیث لکھی
اور فقہ حاصل کی، ۱۷۹ھ مین امام مالکؒ کی وفات کے بعد آپ مصر چلے گئے، اور وہان

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے وہ مشہور و معروف کتاب حاصل کی جو بعد مین ان کے نام پر اسدیہ
مشہور ہوگئی،

اب اسد ابن فرات تحصیل علم سے بالکل فارغ ہو چکے تھے، اور اس قابل تھے کہ جو کچھ
انہون نے حاصل کیا ہے دوسرون کو اس سے مستفید کرین۔ چنانچہ آپ قیروان واپس آئے
اور درس و تدریس مین مشغول ہوگئے، بہت سے علمار نے ان سے موطا اور دوسری کتابین
حاصل کین، اور ان کی شہرت تمام گرد و نواح کے علاقے مین پھیل گئی، آخر کار ۲۰۳ھ
مین زیادۃ اللہ ابن الاغلب نے انکو افریقہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا، اور صقلیہ پر فوج کشی تک
آپ برابر اس عہدہ پر فائز رہے، کہتے ہین کہ جب زیادۃ اللہ نے انکو امیر عساکر بنانے کی تجویز
کی تو آپ نے کہا کہ خدا امیر کا بھلا کرے آپ مجھ کو قضا کے کام یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر
سے معزول کرکے امیر بنانا چاہتے ہین، زیادۃ اللہ نے جواب دیا کہ نہین مین تم کو قضا سے
معزول نہین کرتا بلکہ قاضی کے علاوہ امیر بھی بناتا ہون، اسطرح تم قاضی بھی رہوگے اور امیر
بھی، مورخون کا بیان ہے کہ ان سے پہلے افریقہ مین قضا اور امارت کبھی ایک شخص کے
ہاتھ مین جمع نہین ہوئی تھی،

بہرحال نصف ربیع الاول ۲۱۲ھ کو ہفتہ کے دن قاضی اسد ابن فرات کے زیر
قیادۃ افریقہ کے بیڑے نے سوسہ کی بندرگاہ سے لنگر اٹھایا۔ اس بیڑے مین فیمی کے
جہازات کے علاوہ تقریبًا سو جہازات تھے، منگل کے دن یہ بیڑا آخر صقلیہ کے بندرگاہ مازر
پر جا نکلا۔ اور اسد ابن فرات نے اپنی فوج کو جس مین سات سو سوار اور دس ہزار پیادے
تھے خشکی پر اُتارا۔ اور وہین ساحل پر قیام کیا، تین دن تک سوائے ایک چھوٹی سی فوج کے
اور کوئی ان کے مقابلہ کے لیے نہ آیا، آخر یہ دیکھ کر اسد نے اپنی فوج کو یلغار کا حکم دیا اور بلاطہ

کی تلاش مین نکلے، یہ بلاطہ وہی شخص تھا جو پہلے فیمی کا دوست تھا اور آخر اس سے منحرف ہوکر صقلیہ پر قابض ہو بیٹھا تھا، مسلمانون کی فوج نے اُسے ایک مرغزار مین جالیا، مسلمان جنگ کے لیے مستعد ہوے، مگر فیمی اور اس کے ہمدرد الگ ہوگئے اور مسلمانون کی مدد نہ کی مگر پھر بھی بلاطہ کو شکست ہوئی، اس کے بے انتہا آدمی مارے گئے، اور مسلمان اس کی تمام فوج اور اسباب پر قابض ہوگئے، بلاطہ بھاگ کر قصریانہ مین پناہ گزین ہوا، مگر ایک ہی شکست سے وہ مسلمانون سے ایسا مرعوب ہوگیا تھا کہ اس قلعہ مین بھی اس نے اپنے آپ کو محفوظ متصور نہ کیا۔ اور سرزمین قلوریہ مین چلا گیا، اور وہین قتل ہوا،

اس کا فیصلہ کرنے کے بعد قاضی اسد ابن فرات ایک کنیسہ کی طرف روانہ ہوے جو ساحل سمندر پر واقع اور رافیمیہ کے نام سے مشہور تھا۔ اسکو فتح کرکے وہ کنیسہ مسلقین گئے یہان انکو سرقوسہ کے بطارقہ کی ایک جماعت ملی۔ یہ لوگ مکر و فریب کے لیے وہان کے طالب ہوگئے جب سرقوسہ کے لوگ بالکل تنگ آگئے تو فیمی کی حمیت قومی نے جوش کیا، اور اس نے انکے پاس پیغام بھیجا کہ ثابت قدم رہین اور مستعدی اور تندہی سے جنگ کرین، قاضی اسد ابن فرات نے چند دن تو انتظار کیا، مگر آخر انپر ظاہر ہوگیا کہ ان لوگون نے مکر کیا ہے اور انکی نرمی سے فائدہ اٹھا کر انھون نے قلعہ کی مرمت کرلی ہے اور حوالئی قلعہ کا تمام مال و زر اور غلہ قلعہ مین داخل کرلیا ہے، یہ سمجھ کر وہ آگے بڑھے اور جنگ کی تیاریان شروع کین اطراف وجوانب مین فوجین روانہ کین۔ جنھون نے قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور بہت سے قیدی لے کر واپس آئین۔ اُدھر افریقہ اور اندلس سے بھی ان کے پاس کمک پہنچ گئی، اور اس کی مدد سے انھون نے شہر سرقوسہ کا نہایت سختی سے محاصرہ کردیا، آخر محصورین امان کے طالب ہوئے۔ قاضی اسد صلح کرنا چاہتے تھے مگر مسلمانون نے نہ مانا اور جنگ جاری رکھی،

اسی محاصرہ کے دوران مین مسلمانون کی فوج مین وبا پھیل گئی۔ اور اسی بیماری مین مبتلا ہوکر شعبان (اور بقول ابن ابی الدینار ربیع الآخر) ۲۱۳ھ مین قاضی اسد ابن فرات کا انتقال ہوگیا،

گو سپہ سالار فوج قاضی اسد نے اثناء جنگ مین وفات پائی، مگر اسلامی فوج کی ہمت و استقلال مین کسی قسم کی کمی واقع نہوئی، اور جس کام کی ابتدا ان کی طرف سے ہوچکی تھی وہ برابر جاری رہا، چنانچہ فوج نے محمد ابن ابی الجواری کو اپنا حاکم بنالیا اور سرقوسہ کا محاصرہ بدستور جاری رکھا، فتوحات کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ اور آخر ۲۱۲ھ مین بنو اغلب اس قابل ہوگئے کہ صقلیہ کا ایک الگ والی مقرر کردین، یہ فتح کچھ ایسی مبارک اور مستقل تھی کہ ۴۶۴ھ تک مسلمان برابر اس جزیرہ پر مسلط رہے، اور جب نکلے تو رومی سلطنت کے نکالے نہ نکلے بلکہ ایک نئی قوم یعنے نارمنون کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے ان کو بے دخل کیا،[1]

[1] قاضی اسد ابن فرات کی سوانح عمری کا حصہ ریاض النفوس فی طبقات علماء قیروان و افریقہ سے ماخوذ ہے، جس کا ملخص اماری نے اپنی کتاب "ببلیوتیکا اربو سکیولا" مین درج کیا ہے، (۱۸۵۷ء)

فرنچ مستشرق دی تاسی
کا
تذکرۂ شعرائے اُردو

از

مولوی محمد محفوظ الحق، بی۔ اے

مشہور فرانسیسی اُردو دان گارسن دی تاسی سے کم لوگ ناواقف ہونگے اُردو ادب د
تاریخ کا یہ مشہور ماہر عرصہ تک ہندوستان کی گلگشت کرتا رہا اور جب فرانس واپس گیا تو اُسکا
دامن یہان کے پھولون سے بھرا تھا۔ گارسن نے نہ صرف یہان کی زبانون مین مہارت حاصل کی
بلکہ ہندی و اُردو مین جتنی قلمی کتابین مل سکین اُنکو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔ ملک نے اُسکی کوششونکی
قدر کی اور اپنی قومی یونیورسٹی مین ہندوستانی علوم و ادب کی چیر اُسکو عطا کی۔ وہان گارسن
ہر سال اُردو علم و ادب کی ترقی پر لکچر بھی دیا کرتا تھا، جو چھپ کر شائع ہوگیا ہے اور بیحد دلچسپ
اور پر از معلومات ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ تاسی کو ہندی و اُردو علم ادب کی تاریخ مین تبحر کا درجہ
حاصل تھا، اور سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ یہان کی زبانون سے عموماً اور اُردو سے خصوصاً
اُسکو عشق تھا اور غالباً یہ عشق اُسکی زمین کا خمیر ہے۔ وہ اُردو، کا بہت بڑا موید تھا، اور ہر جگہ
اسکی خوبیون کو سراہتا تھا۔ ہندوستانیون سے عموماً وہ اِسی زبان مین خط و کتابت کرتا چنانچہ
معلوم ہوا کہ ببلیا تھک نیشنل (پیرس) مین اُسکے بہت سے خطوط اب بھی محفوظ ہین،

تاسی کی تالیفات و تصنیفات کی فہرست طویل ہے۔ صرف ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ)
مین اُسکی لکھی ہوئی حسب ذیل کتابین فرنچ زبان مین موجود ہین، جن کے دیکھنے اور پڑھنے

سے اسکے شوق علم اور تبحر کا پتہ چلتا ہے،

۱- انتخابات از "گل بکاؤلی" مع ترجمہ (مطبوعہ پیرس ۱۸۳۵ء)
۲- سبق آموز قصے، نقلین اور گیت مترجمہ از عربی، فارسی، اُردو و ترکی (پیرس ۱۸۷۶ء)
۳- ایک ہندوستانی ڈراما کا انتخاب (پیرس ۱۸۵۰ء)
۴- ہندوستانی (اُردو) زبان کا ابتدائی رسالہ (پیرس ۱۸۳۳ء)
۵- ہندوستان کے مقبول گیت (پیرس ۱۸۶۵ء)
۶- منسوخ آیاتِ قرآن (پیرس ۱۸۴۲ء)
۷- انتخابات از ہندی و اُردو (پیرس ۱۸۴۹ء)
۸- مسٹر ڈورس کی "فارسی، سنسکرت اور ژند کی گرامر یتو اسٹڈیز" نامی کتاب مختصر ایڈیشن (پیرس ۱۸۵۱ء)
۹- ۱۸۵۰ء اور ۱۸۶۹ء کے درمیان اُردو ادب کی ترقی پر تبصرہ مع ضمیمہ اُردو کورس (پیرس ۱۸۷۴ء)
۱۰- ۱۸۷۰ء اور ۱۸۷۷ء کے درمیان اُردو ادب کی ترقی پر تبصرہ (پیرس ۱۸۷۱ء تا ۱۸۷۷ء)
۱۱- مسلمانونکی مذہبی اور فلسفیانہ شاعری ماخوذ از "منطق الطیر" عطار۔ (پیرس ۱۸۵۶ء)
۱۲- مسلمانون کا علم بلاغت۔ ماخوذ از "حدیقۃ البلاغت" (پیرس ۱۸۴۴ء)
۱۳- انتخاب از بوستانِ شیخ سعدی معہ خلاصہ۔ (پیرس ۱۸۵۹ء)
۱۴- فسانۂ سکنتلا ماخوذ از مہابھارت (پیرس ۱۸۵۲ء)
۱۵- اُردو مولفین و مصنفین کے حالات اور اُنکی تالیفات، تصنیفات کا ذکر۔ مرتبہ از تذکرہ جات (پیرس ۱۸۶۸ء)
۱۶- اسما و القاب اہل اسلام (پیرس ۱۸۵۴ء)
۱۷- ذکر تذکرہ جات مشتمل بر حالاتِ شعرا و مصنفین ہندی و اُردو (پیرس ۱۸۳۸ء)
۱۸- نظر "انوار سہیلی" واعظ ملا حسین واعظ کاشفی۔ (پیرس ۱۸۳۶ء)

۱۹- ذکر کتبہ جات عربی و فارسی و اُردو، (پیرس ۱۸۳۳ء)

۲۰- ہندوؤن کے اُن کھانون کا حال جنکا پتہ اُردو کتابون سے ملتا ہے (پیرس ۱۸۳۳ء)

۲۱- مسلمانانِ شرق کا علمِ عروض (خصوصاً عربی، فارسی، ترکی و اُردو عروض) (پیرس ۱۸۴۸ء)

۲۲- مسلمانانِ شرق کا علمِ عروض و بلاغت (پیرس ۱۸۴۷ء

۲۳- ہندی کا ابتدائی رسالہ (پیرس ۱۸۴۳ء)

۲۴- سعدی (دکھنی) ہندوستان کا ایک مشہور شاعر (پیرس ۱۸۴۳ء)

۲۵- فلسفہ مذہب- اسلام قرآن اور عقائد و اعمال پر بحث (پیرس ۱۸۷۴ء)

۲۶- عباس خان لکھور شروانی احمدی کی "تاریخ شیر شاہی" کے ایک باب کا ترجمہ مشتمل بر حالات مسلمانان در عہدِ شیر شاہ (پیرس ۱۸۶۵ء)

۲۷- (سر) سید احمد خان کی "آثار الصنادید" کا ترجمہ (پیرس ۱۸۵۲ء)

۲۸- فلسفہ حیدری- اور مسکین کی نظمونکا ترجمہ (پیرس ۱۸۴۵ء)

۲۹- ترجمہ و انتخاب "اخوان الصفا" (از اُردو ترجمہ کتاب ہذا) (پیرس ۱۸۶۴ء)

۳۰- مذہب اسلام کے عقائد ماخوذ از قرآن (پیرس ۱۸۲۶ء)

۳۱- انتخاب کلام میر تقی میر مع ترجمہ (پیرس ۱۸۲۶ء)

۳۲- ترجمہ "تشریح قوانین اہل اسلام"، مولفہ محمد بن پیر علی البرکاوی در ترکی (پیرس ۱۸۲۲ء)

۳۳- عزیز الدین المقدسی کے پند آموز قصون کا ترجمہ مع نوٹ وغیرہ (پیرس ۱۸۲۱ء)

۳۴- ترجمہ "قصہ کامروپ"، مولفہ تحسین الدین (پیرس ۱۸۳۴ء)

۳۵- "عہد آہنی" کی مدت۔ وشنو داس کی ایک ہندی کتاب کا ترجمہ (پیرس ۱۸۵۲ء)

۳۶- انتخاب کلام ولی (دکھنی)، مع ترجمہ (پیرس ۱۸۳۶ء)

حسب ذیل دو کتابین جو اس فہرست مین درج نہین امپریل لائبریری (کلکتہ) مین ہین،

۳۷- ہندی و اُردو کورس برائے امپریل اسکول، مع انتخابات از زبانہائے مشرقیہ،

۳۸- خصوصیات اہل اسلام در ہند، ماخوذ از کتب اُردو،

مندرجہ بالا کتابین تو ہندوستان کے صرف دو کتب خانون مین ہین، لیکن اگر برٹش میوزیم (لندن)، یا بوڈلین لائبریری (آکسفورڈ) کی فہرست اُٹھا کر دیکھی جائے تو میرا خیال ہے کہ اس فہرست مین اور بھی اضافہ ہو سکتا ہے، ناظرین اس امر کو پیش نظر رکھین کہ اس طویل فہرست مین وہ بے شمار مضامین درج نہین ہین جنکو وقتاً فوقتاً گارسن نے یورپ کے مختلف علمی رسائل مین شائع کیے لیکن اگر اُنکی فہرست بھی شامل کردی جاتی تو میرا خیال ہے کہ یہ فہرست اور چند صفحے بڑھ جاتی۔ بہرکیف! اس بیان سے قطع نظر کرکے مین اب اُسکی بہترین تالیف "تاریخ زبان ہندی و اُردو" کی طرف متوجہ ہوتا ہون، جس سے بہتر جامع، مفصل اور مکمل کتاب، ہندی و اُردو شعراء و مصنفین کے حالات مین کسی زبان مین نہین لکھی گئی۔ یہ تاریخ جو دراصل تذکرہ ہے پہلے دو ضخیم جلدون مین پیرس سے ۱۸۳۹ء مین شائع ہوئی تھی۔ اُسکے بعد مولف نے اسپر نظر ثانی کی اور بہت سے شعراء و مصنفین کے حالات جو اُسوقت دستیاب ہوئے تھے اسمین بڑھائے اور ۱۸۷۰ء مین اسکا دوسرا ایڈیشن تین ضخیم جلدون مین شائع کیا، اس کے شروع مین ایک دلچسپ اور طویل مقدمہ ہے جسمین اُردو و ہندی کی تاریخ، لٹریچر اور اصناف سخن وغیرہ پر ایک قابل قدر بحث ہے اُسکے بعد اصل تذکرہ، شروع ہوتا ہے، اور (بقول مولف) کوئی تین ہزار اُردو و ہندی شعراء و مصنفین کے حالات پر ختم ہوتا ہے۔ اس طویل فہرست مین صرف ۲۵۰ ہندی کے اور بقیہ ۲۷۵۰ اُردو کے شعراء و مصنفین ہین، اور اس آخر الذکر فہرست مین بھی ۲۲۰۰ مسلمان ہین،

افسوس ہے کہ اس قابل قدر (فرنچ) تذکرہ کا جو اپنی جامعیت، ضخامت اور صحت

کے اعتبار سے لاجواب ہے، اب تک کوئی انگریزی یا اُردو ترجمہ شائع نہین ہوا۔ صرف انجمن ترقی اُردو (حیدر آباد) کی فہرست تراجم مین چند سال سے اس کتاب کا بھی نام آتا ہے کہ اس کا ترجمہ ہو رہا ہے لیکن خبر نہین کہ اسوقت تک کتنے صفحات کا ترجمہ تیار ہے، اور کب تک اسکے شائع ہونے کی اُمید ہے۔ بہرکیف! دعا ہے کہ یہ صحیفۂ علمی جلد سے جلد شائع ہو۔

راقم کا عرصہ سے خیال تھا کہ اس تذکرہ کا ترجمہ کرے لیکن ع زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم کی مثل صادق آتی تھی اس لیے مجبوری تھی۔ حُسن اتفاق سے ۱۹۱۶ء مین محترمی نواب سیّد نصیر حسین خان صاحب خیالؔ نے راقم کو اس تذکرہ کی پہلی جلد کا انگریزی ترجمہ دکھایا جو قلمی اور مسودہ کی صورت مین تھا، اور ایک حد تک مکمل تھا۔ یہ ترجمہ نواب صاحب کو اس تقریب سے دستیاب ہوا کہ جن دنون وہ فرنچ زبان سیکھ رہے تھے تو گارسن کا تذکرہ بھی پیش نظر رکھتے تھے۔ اتفاق سے اُنکے مرحوم فرنچ اُستاد کو کسی لیڈی نے لکھا کہ پانڈیچری مین ایک ریٹائرڈ کپتان رہتا ہے اُس کے پاس اس تذکرہ کا قلمی انگریزی ترجمہ موجود ہے۔ نواب صاحب موصوف کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو اُنھون نے فوراً اُسکو خط لکھا اور ترجمہ دیکھنے کے لیے مانگ بھیجا۔ اُس فرنچ کی شرافت دیکھیے کہ نہ صرف ترجمہ بھیجدیا بلکہ لکھا کہ "اب میری بینائی جاتی رہی، اس لیے نہ تو اس سے زیادہ ترجمہ ہونے کا قرینہ ہے اور نہ اسکے شائع ہونے کی اُمید۔ اس لیے مین اپنا سارا مسودہ آپکے پاس بھیج رہا ہون۔ آپ جو مناسب سمجھین کرین"۔ یہ ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ نواب صاحب نے اسکے ترجمہ کی خدمت راقم کے سپرد فرمائی اور مین نے یہ کام شروع کر دیا، اور ایک اچھے حصّہ کا ترجمہ بھی ختم کر دیا۔ لیکن بعض موانع ایسے پیش آئے کہ ترجمہ تو کیا ۱۹۱۷ء کے بعد سے اُن اوراق کے دیکھنے کی نوبت بھی نہ آئی۔ اب اپنی غفلت پر ندامت اور افسوس دونون ہے۔ بہرکیف! مین کفارہ دینے کے لیے حاضر ہون اور اگر "دار المصنفین" "انجمن ترقی اُردو" یا کوئی دوسری

مجلس آمادہ ہو[1] تو بالفعل مین اُسکا قابل قدر مقدمہ (جو بجائے خود مستقل کتاب ہے) شائع کرنے کے لیے تیار ہون، اور اگر کوئی انجمن یا پریس واقعی مستعد ہو تو پورے تذکرہ کو بھی شائع کر سکتا ہون مگر جلد دوم کے لیے ہمین ایک فرنچ اُستاد کی ضرورت ہوگی، جلد سوم مین زیادہ تر انتخابات ہین اسلیے اُنکے ترجمہ کی چندان ضرورت نظر نہین آتی،

تذکرہ تاسی کی جامعیت کا اندازہ آیندہ سطور سے ہوگا، جن مین موئف نے اُن تذکرون اور گلدستون کا حال یا نام لکھا ہے جو اُسکی تالیف کا ماخذ ہین۔ حق تو یہ ہے کہ تلاش و جستجو کی یہ ایک قابل تقلید مثال ہے، اور اس سے ہم لوگون کو بہت کچھ سبق مل سکتا ہے،

ان سطور کے شائع کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ "اُردو تذکرون" کی ایک طویل فہرست تیار ہو جائے، اور شائقین تالیف و تصنیف کو اُردو تذکرون کی تلاش مین مدد ملے اور جو تذکرے اس فہرست مین موجود نہین ہین، یا جو موجود ہین لیکن اب نایاب ہین اُنکی تلاش و تفتیش کی جائے یہ فہرست گو مکمل نہین لیکن قابل قدر ضرور ہے۔ موئف نے بعض تذکرون (مثلاً سرو آزاد وغیرہ) کے متعلق غلطی کی ہے، لیکن مین نے عمداً اُسکی اصلاح نہین کی ہے، اور اسی طرح شائع کر دیا ہے اُمید ہے کہ ناظرین اُسکو بطور خود دیکھ لینگے،

آیندہ نمبر مین تاسی کے مقدمہ کی تلخیص ہدیۂ ناظرین ہوگی،

[1] معارف:- چونکہ انجمن ترقی اُردو اسکے ترجمہ کا اعلان کر چکی ہے، اسلیے وہ زیادہ مستحق ہے لیکن اگر کسی سبب سے وہ تیار نہ ہو تو دار المصنفین اسکے لیے حاضر ہے،

بابَر یا بابُر

از مولوی سید نجیب اشرف ندوی

بعض اوقات ہم معمولی چیزون کے متعلق ایسی شدید غلطی کرتے ہین کہ وہ صدیون تک قائم رہتی ہے اور پھر اوسکی تصیح کے لیے ہکو دلائل اور شواہد کی ضرورت پڑتی ہے چونکہ ہمارے اکثر مغل اور ترک سلاطین کے نام ولقب ترکی ہوتے تھے اور عام سرکاری زبان فارسی تھی، اسلیے اکثر ترکی نام فارسی لب ولہجہ مین آکر بدل جاتے تھے، اور ہم اونکو صحیح اور اصل سمجھتے ہین، اسی قسم کی غلطی ہم آجتک ہندوستان کے مشہور نامور شہنشاہ، بانی سلطنت مغلیہ ظہیر الدین بابر کے متعلق کرتے آئے ہین، ہم ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اس شہنشاہ اعظم کے نام کا آخری لفظ بابَر (بفتح باے ثانیہ) ہے، لیکن تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ صحیح تلفظ بابَر نہین بلکہ بابُر ہے، (بضم باے ثانیہ) اس دعوی کے ثبوت مین یہ دلائل پیش کیے جا سکتے ہین،

چونکہ بابَر اور بابُر اردو اور فارسی مین ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے، اسلیے تاریخ کی عام کتابون سے اس لفظ کی صحت مشکل ہے، ہمارے فارسی لغت نویسون نے بھی اس لفظ کی صحت سے اعتنا نہین کیا ہے، اس بنا پر اس مشکل کے حل کرنے کے لیے ہمارے پاس دو ذریعہ ہین اول تو یہ کہ ہم کسی ایسی نظم کو تلاش کرین جسمین لفظ بابر قافیہ واقع ہوا ہو۔ یا پھر ترکی زبان کے مصنفین کی طرف رجوع ہون جنکا خط عربی ہو؛ حسن اتفاق سے ایک ایسی نظم مل گئی ہے، جس مین لفظ بابر قافیہ واقع ہوا ہے،

سلاطینے کہ کشور میکشایند — ز خوان گوے دولت میربایند
نباشد از خلاف ظلم کیشان — بیک منوال دائم حال ایشان
بیک نہضت گہے ملکے ستانند — گہے در کار خود حیران بمانند

ثمر نوشند گاہے در سمرقند — زمانے نے ثمر یابند نے گند
چنین باشد در اول حال ایشان — بود رافت وخیز اقبال ایشان
دلے یابند آخر سرفرازی — چون سلطان جہان خاقان غازی
ظہیر الدین محمد پادشاہے — کہ مانندش نبودہ دین پناہے
خدیو کامران پر تو دُر — ملاذ ملک ملت شاہ بابُر[1]

بعض حضرات اسپر یہ اعتراض کرسکتے ہین کہ فارسی شاعری مین اس قسم کے قافیہ جائز ہین اور اسکے ثبوت مین خود بابر کا یہ شعر پیش کرسکتے ہین کہ،

تا بزلف سیہش دل بستم — از پریشانیِ عالم رُستم

ہان یہ صحیح ہے، لیکن اگر صرف یہی ایک ثبوت ہوتا تو البتہ یہ مسئلہ متنازع فیہ تھا، لیکن اسکے متعلق اسقدر متعدد ثبوت ہین کہ یہ نظم بھی ہمارے ثبوت مین ایک اضافہ ہی ہے،

اب ہکو انگریزی، فرینچ، جرمنی زبان کے مستشرقین کی طرف متوجہ ہوکر دیکھنا چاہیے کہ اونھون نے اپنی اپنی زبانون مین اس لفظ کا کیا تلفظ کیا ہے، بریزن (Berezine) المنسکی (Ilminski) اور ٹیوفل (Teufel) جیسے مورخ و مستشرق اسے بابُر (Babur) لکھتے ہین،

بخارا و کاشغر کے ترکی بولنے والے لوگون سے بھی دریافت کیا گیا وہ صاف بابُر کہتے ہین،

سنہ ۱۹۱۰ء مین ڈاکٹر ای، ڈی، راس، سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ نے بھی اس لفظ کے صحیح تلفظ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی، اور اس غرض سے مختلف ممالک کے مستشرقین کو خطوط لکھے، اونکے جوابات کے اقتباسات ذیل مین درج ہین،

[1] (جلد سوم صفحہ ۲۹۱) Bombay Lithograph part 3 vol III page 291

مسٹر اِلِس (Mr. Ellis) اسسٹنٹ لائبریرین انڈیا آفس لکھتے ہین،

وائنا کے کتب خانہ کی عربی و فارسی کتب کی جو فہرست فلوگل (Flugal) نے بنائی ہے، اوسکی جلد دوم صفحہ ۵۱۱ پر ایک پادشاہ نامہ کا تذکرہ ہے، جسکے آخری سادہ صفحہ پر بابر کے چند اشعار لکھے ہوئے ہین، فلوگل اون اشعار کے مصنف کا نام (Babur Padscha) دیتا ہے اور اسکے معنے یہ ہین کہ اس نسخہ مین بابور لکھا ہوا ہے؛

مسٹر اِلس کو اسپر شک ہوا اور انھون نے پروفیسر گیبر (Prof. Geiger) سے تصدیق چاہی، نسخہ کو بذات خود دیکھ کر اونھون نے اسکی صحت کی گواہی دی،

آگے چلکر مسٹر اِلس لکھتے ہین، کہ خود میرے قبضہ مین رکن بن شرف الدین الحسینی العاملی کی ایک کتاب پنجاہ باب سلطانی ہے، یہ کتاب اصطرلاب کے متعلق ہے، یہ رسالہ مغیث السلطنت والدنیا والدین ابو القاسم بابُر بہادر خان کے نام سے معنون ہے،

بادشاہ کا نام صاف طور سے مضموم (بابُر) ہے؛ مصنف نے یہ کتاب ہرات مین ۸۵۶ھ مین لکھی ہے، اور میرا خیال ہے کہ یہ نسخہ اُس سے بہت بعد کا نہین؛

مسٹر ایچ بورِیج (Mr. H. Beveridge) نے جواب دیتے ہوے النسکی کے نسخہ کا حوالہ دیا ہے جسمین بابُر کی ایک کتاب موسوم بہ مبیّن کا حوالہ دیا ہے، یہ نسخہ ۱۸۵۷ء مین قازان مین شائع ہوا تھا، اسمین صفحہ ۲۲۹ کا چھٹا شعر وہ ہے، جسمین خود بابر نے بابُر کو "دور" کا ہم قافیہ منظوم لکھا ہے،

باباسین کیم مفصل ایما ندر	اوشبو لار کیم بارین دیدی بابُر

مسٹر موصوف نے ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو (Asiatic Quarterly Review) جنوری ۱۹۰۶ء مین ایک مضمون "حبیب السیر اور بابر" کے عنوان سے لکھا ہے اسمین لکھتے ہین

ڈاکٹر ریو (Dr. Rieu) کا خیال ہے کہ اس لفظ کا صحیح تلفظ بابَر (Babar) ہے، مشہور مستشرق مسٹر سٹینلی لین پول جنھون نے ہندوستان کے عہد اسلامی کی تاریخ کے علاوہ بابر اور اورنگ زیب کے حال مین مستقل کتابین لکھی ہین اور اپنی کتاب کا نام بابَر (Babar) رکھا ہے، لکھتے ہین،

ڈاکٹر ریو کے قول کے مطابق خود شہنشاہ موصوف کے شعر کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اسکے نام کا صحیح تلفظ بابُر (BABUR) ہے"

اس مضمون مین ہندوستان کے صرف ایک بادشاہ کے نام کی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے، لیکن ہمارے سلاطین اور حکمرانون مین اور بہت سے اشخاص مین جن کے نام بھی ترکی ہین، مثلاً ایبک، التمش، تغلق، بلبن وغیرہ سب کے سب ترکی ہین اور ہندوستانیون کو نہین معلوم کہ موجودہ تلفظ بھی صحیح ہے یا نہین، اگر ان نامون کی تصحیح ہوجائے تو وہ بہت سے لغو قصے جو ان سلاطین کے نامون کے وجہ تسمیہ کے متعلق ہمارے مورخین لکھتے ہین اونکی بھی تنقید ہوجائے گی، اس فرض کو وہ حضرات جنکو ترکی زبان اور تاریخ ہند سے واقفیت ہو بکمال خوبی انجام دے سکتے ہین، امید ہے کہ ایسے اصحاب ادھر توجہ کرینگے،

اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہمارے دوستون کو معلوم ہوگا کہ فارسی تاریخون مین اکثر اسلحہ اور عہدون کے نام، عدالتی و فوجی اصطلاحات، اور سامان تمدن کے بھی الفاظ ترکی ہین، اور اونمین سے اکثر وراثتہً ہماری اُردو زبان مین بھی مستعمل ہین، انکی لغوی تحقیق اور انکی اصلیت کا سراغ لگانا اُردو لغت کی بھی ایک خدمت ہے،

———— ⁘ ————

مترجمات

جرمنی کے صنعتی مدارس اور یونیورسٹیان

تونس کے علمی رسالہ الفجر نے رجب سنہ ۴۰ھ کے پرچہ مین، جرمنی کی تعلیمی کوششون کا ایک مختصر نقشہ کھینچا ہے، ایک مشکلات سے لبریز لیکن زندہ قوم کی کہانی ہمارے لیے کیا سودمند ہوگی؟

جرمنی طلبہ کی تعداد حیرت انگیز طریقہ سے بڑھ رہی ہے، اون طلبار کی تعداد جنکا تعلق کسی خاص مدرسہ صنعت یا یونیورسٹی سے ہے سنہ ۱۹۲۱ء کے گرما مین ۱۱۰۷۵۴ تک پہونچ گئی ہے حالانکہ اوس سے پہلے قبل سنہ ۲۱-۱۹۲۰ء کے سرما مین ۱۹۳۳۰ سے زائد نہ تھی،

ان مین صنعتی ہائی اسکول مین تعلیم پانے والے طلبار کی تعداد ۴۲۳۲۴ ہے اور اون طلبار کی جو کسی یونیورسٹی سے تعلق رکھتے ہین ۵۳۰۷۸، یہ لڑکون کے متعلق تھا، لڑکیونکی تعداد بھی اسی طرح نمایان طور سے بڑھ رہی ہے، سنہ ۲۱-۲۰ء کے جاڑون مین اونکی تعداد ۸۴۵۹ تھی لیکن گرمیون مین ۷۴۳۶ تک ترقی کر گئی ہے،

ہماری حیرت واستعجاب کی اوسوقت کوئی حد باقی نہین رہتی جب ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگون نے تعلیم ختم کرکے یا کسی اور وجہ سے ان مدارس کو ترک کر دیا ہے اونکی تعداد کہین زیادہ ہے، اس کے ساتھ اون لوگون کے نامون کا بھی اضافہ کیجیے جو لڑائی کے زمانہ مین اپنے مدارس چھوڑ کر گئے اور آجتک لوٹ کر نہین آئے، ایسے لوگون کی تعداد کچھ کم نہین ہے اونکا اوسط بھی ۲۵ فیصدی ہے، پس ہم دیکھتے ہین کہ اس کمی کے باوجود بھی اونکی تعداد بڑھتی ہی جاتی ہے اور کوئی چیز اس سے زیادہ عجیب نہین ہے، اور یہ صاف طور سے بتاتی ہے کہ یہ قوم کسقدر شائق وطالب علم ہے لیکن جو شے کہ ہمکو سب سے زیادہ تعجب مین ڈالتی ہے، وہ یہ کہ یہ طلبہ شوق علم مین جسمانی صعوبتین برداشت کرتے، روپیہ خرچ کرتے اور شائد سخت تکلیف سے زندگی بسر کرتے ہین اور اس طرح اپنے کو علم و وطن کی خدمت کے لائق بناتے ہین،

البتہ جو اشخاص کہ صرف لکچر سنتے تھے اونکی تعداد مین سنہ ۱۹۲۰ء کے جاڑے سے سنہ ۲۱ء گرمی مین کمی ہوگئی ہے یونیورسٹیون اور کالجون دونون کا ایک ہی حال ہے؟

لیکن یہ جرمنی کی معمولی حالت ہے جنگ سے پہلے بھی داخلہ کی تعداد گرمیون سے جاڑون مین زیادہ ہوتی تھی،

مجموعی حیثیت سے بھی اونکی تعداد قبل از جنگ کی تعداد سے دوچند ہوگئی ہے، اور اس سال بھی اوسمین اضافہ ہوا ہے، پہلے صرف کالجون مین اونکی تعداد ۲۵۶۶ تھی اور اب ۴۲۶۰ ہے،

اب ہم جرمنی کی مجموعی ترقی کو جو اوسنے سنہ ۱۳ء سے سنہ ۲۱ء تک کی ہے ذیل کے نقشہ کے ذریعہ دکھاتے ہین،

مہینے	طلبہ کی تعداد		شرکائے خطبات علمیہ کی تعداد	
	لڑکے	لڑکیان	لڑکے	لڑکیان
گرما سنہ ۱۹۱۳ء	۵۶۶۹۳	۳۳۶۸	۶۵۶۸	۱۰۸۰
سرما سنہ ۱۴-۱۳ء	۵۵۶۱۴	۳۶۴۹	۷۸۴۸	۱۵۱۰
گرما سنہ ۱۴ء	۵۶۶۹۱	۴۰۵۷	۷۰۷۶	۱۰۱۰
سرما سنہ ۱۵-۱۴ء	۴۸۵۷۲	۳۹۰۱	۲۵۵۶	۸۷۶
گرما سنہ ۱۹۱۵ء	۴۹۲۲۱	۴۵۶۸	۲۱۳۸	۴۸۷
سرما سنہ ۱۶-۱۵-۱۹ء	۴۹۰۱۸	۴۶۵۰	۲۹۸۰	۱۵۰۵

مہینے	طلبہ کی تعداد		شرکاے خطبات علمیہ کی تعداد	
	لڑکے	لڑکیان	لڑکے	لڑکیان
گرما سنہ ۱۹۱۶ء	۵۱۸۰۸	۵۴۳۵	۲۸۸۴	۱۱۴۵
سرما سنہ ۱۹۱۶-۱۷ء	۵۵۲۱۹	۵۷۰۱	۳۱۷۸	۱۶۶۰
گرما سنہ ۱۹۱۷ء	۵۸۷۷۴	۶۲۰۴	۲۷۴۹	۱۰۴۲
سرما سنہ ۱۹۱۷-۱۸ء	۶۲۰۹۸	۶۵۶۳	۳۴۹۵	۱۸۱۲
گرما سنہ ۱۹۱۸ء	۶۴۳۹۱	۷۱۸۸	۳۸۱۲	۱۴۷۷
سرما سنہ ۱۹۱۹ء	۶۹۵۱۰	۷۳۳۹	۵۹۳۰	۱۹۷۷
گرما سنہ ۱۹۱۹ء	۰۱۱۱۲	۸۲۱۶	۹۷۶۵	۳۵۰۱
سرما سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء	۸۱۱۰۲	۸۲۴۴	۱۲۸۵۷	۵۳۲۸
گرما سنہ ۱۹۲۰ء	۷۸۳۹۵	۸۱۸۶	۱۱۴۵۷	۲۹۲۸
سرما سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء	۷۸۱۹۴	۸۱۷۳	۱۶۲۹۰	۵۱۱۹
گرما سنہ ۱۹۲۱ء	۷۹۱۳۵	۸۲۹۵	۱۳۹۳۳	۲۹۲۹

اب یہ جاننا چاہیے کہ یہ طلبہ کن کن فنون کو حاصل کرتے ہین، ذیل کے نقشہ سے ہمکو یہ بوضاحت معلوم ہو جائیگا اور اسکے ساتھ ہی ساتھ سنہ ۱۴ء اور سنہ ۲۱ء کی تعداد سے موازنہ ہو جائیگا؛

نقشۂ اول، یونیورسٹی کے طلبہ

علوم (موضوع)	طلبہ	سنہ ۱۴ء	سنہ ۲۱ء
تعلیم انجیل	لڑکے	۴۲۱۶	۳۲۸۱
	لڑکیان	۱۸	۷۲
کیتھولک مذہب کی تعلیم	لڑکے	۲۰۵۵	۲۱۴۹
	لڑکیان		
قانون	لڑکے	۹۶۱۷	۱۹۳۹۸
	لڑکیان	۵۷	۶۱۸
اقتصاد سیاسی	لڑکے	۲۳۶۰	۹۹۴۵
	لڑکیان	۱۲۸	۸۶۵
طب	لڑکے	۱۵۴۶۱	۱۴۷۱۲
	لڑکیان	۹۷۹	۲۰۲۵
تشریح الانسان	لڑکے	۹۳۲	۴۶۷۵
	لڑکیان	۳۸	۳۰۴
ادبیات (لٹریچر)	لڑکے	۱۰۸۳۲	۹۵۵۰
	لڑکیان	۱۸۷۷	۲۷۲۵
ریاضیات و تاریخ طبعی	لڑکے	۶۱۴۸	۶۲۰۳
	لڑکیان	۷۳۳	۹۳۲
کیمسٹری	لڑکے	۸۸۵	۲۸۵۲
	لڑکیان	۲۹	۱۹۵
دواسازی	لڑکے	۱۰۷۶	۸۴۸
	لڑکیان	۱۰	۱۴۵

علوم (موضوع)	طلبہ	سنہ ۱۴ع	سنہ ۲۱ع
زراعت	لڑکے	۱۳۵۳	۳۱۱۸
	لڑکیان	۷	۴۹
مختلف علوم	لڑکے	۱۰۶۶	۲۵۲۴
	لڑکیان	۱۸۱	۳۶۵
میزان	لڑکے	۵۶۶۹۱	۷۹۲۳۵
	لڑکیان	۴۰۵۷	۲۹۵
	میزان کل	۶۰۷۴۸	۷۹۵۳۰

ان اعداد کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان ۸ سالون مین ۲۷،۴۲ طلبہ کا یونیورسٹیون مین اضافہ ہوا ہے، اب ہم صنعتی کالجون کے طلبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہین ذیل کے نقشہ سے اونکی ترقی ظاہر ہے

فنون	طلبہ	سنہ ۱۴ع	سنہ ۲۱ع
ہندسہ (انجنیرنگ)	لڑکے	۲۱۸۲	۱۸۴۸
	لڑکیان	۱۹	۴۱
آلات سازی	لڑکے	۲۷۶۵	۳۱۴۷
	لڑکیان	۱	۲
میکانک	لڑکے	۳۵۱۱	۸۵۵۹
	لڑکیان	۲	۱۳
برقیات	لڑکے	۸۷۴	۲۹۷۰
	لڑکیان	۱	۳

فنون	طلبہ	سنہ ۱۴ع	سنہ ۲۱ع
کیمائیات علمی	لڑکے	۱۸۶۰	۳۶۱۹
	لڑکیان	۱۱	۱۱۲
مختلف علوم	لڑکے	۷۹۷	۱۴۵۴
	لڑکیان	۷	۳۹
فنون عامۃ	لڑکے	۳۹۱	۹۷۶
	لڑکیان	۳۷	۱۳۰
میزان	لڑکے	۱۲۳۸۰	۲۲۸۷۳
	لڑکیان	۷۸	۳۴۱
	میزان کل	۱۲۴۵۸	۲۳۲۱۴

اس ترقی سے پتہ چلتا ہے کہ صنعتی مدارس کے طلبہ ۸ سال کے عرصہ مین تقریبًا دونے ہوگئے ہین،

المختصر تمام بڑی یونیورسٹیون اور صنعتی کالجون کے طلبہ کی تعداد سنہ ۱۹۱۴ع مین ۷۳۲۰۶ تھی اور سنہ ۱۹۲۱ع مین ۱۱۰۷۵۴ ہوگئی یعنے ۳۷۵۴۸ طلبہ کا اضافہ ہوا (اور یہ وہ اعداد وشمار ہین جو ہمنے صرف بڑی یونیورسٹیون اور مشہور کالجون کے لیے ہین)

یہ اس قوم کی تعلیمی ترقی کی داستان ہے جو شش سالہ جنگ سے چور چور ہوگئی تھی جسکا ہر گھر ماتم سرا ہے، جسکے سکہ کی قیمت دنیا کے بازار مین خرمہرہ سے زیادہ نہین تاہم اونکی ہمت بلند کے سامنے یہ سب نشیب وفراز برابر ہین،

نجیب اشرف ندوی

تلخیص و تبصرہ

حکیم اجمل خان

جون سنہ ۱۹۲۲ء کے ماڈرن ریویو مین، مسٹر اینڈریوز نے حکیم اجمل خان پر ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، جسمین پہلے اونکے خاندانی حالات، پھر خود اونکی زندگی کے واقعات اور اسکے بعد اونکے قومی و ملکی خدمات گنائے ہین، اکثر واقعات مسٹر موصوف نے اپنے عینی دیدی بیان کیے ہین، اور دکھایا ہے کہ وہ ہندوستان مین "ہندو مسلم اتحاد کا زندہ مجسمہ" ہین،

حکیم صاحب کا خاندان کاشغر سے جو اب چینی ترکستان مین واقع ہے، ہندوستان آیا تھا، اس خاندان کے مورث اعلی بابر کی فوج کے ایک افسر کی حیثیت سے ہندوستان وارد ہوے تھے، اسکے بعد اس خاندان مین خواجہ ہاشم اور خواجہ قاسم دو بھائی پیدا ہوے، یہ دونون حیدرآباد سندھ مین رہتے تھے، اور وہان بڑے کامل بزرگ مانے جاتے تھے، ملا علی قاری جو ہندوستان کے مشہور محدث اور عالم اور مصنف تھے اور جنہون نے مکہ معظمہ مین اقامت اختیار کرلی تھی، وہ بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہین،

طب اور علاج و معالجہ کا شغل اس خاندان مین حکیم فاضل خان کے وقت سے شروع ہوا جو ملا علی قاری کے پوتے تھے، اسکے بعد اس خاندان مین طب کا غیر منقطع سلسلہ شروع ہوگیا جو ابتک بحمداللہ قائم ہے، اس خاندان نے نہ صرف ہندوستان مین فن طب کو قائم و باقی رکھا بلکہ اونھین کی ذات سے تمام ایشیا مین اوسنے قیام و بقا حاصل کی، اونکا کاشانہ مریضون کے لیے دارالشفا تھا تو طالب العلمون کے لیے دارالعلم،

اس خاندان کی طبی شہرت حکیم شریف خان کے زمانہ مین اوج کمال کو پہنچ گئی، اونکی طبی تصنیفات نے قبول عام حاصل کیا، انکا زمانہ محمد شاہ کا تھا، شاہی طبیب کی حیثیت سے اس خاندان کو تیموری دربار سے تین دفعہ جاگیرین عطا ہوئین، جن مین اخیر جاگیر ۵۷ء کے غدر مین ضبط ہوگئی،

حکیم شریف خان نے اچھی خاصی عمر پائی، اونکے بعد حکیم محمود خان نے شہرت حاصل کی، اور اونھون نے بھی ۷۴ برس کی عمر پائی، دہلی اور دہلی سے تمام ہندوستان مین عموماً اور شمالی ہندوستان مین خصوصاً انکی طرف رجوع عام تھا، اس خاندان کی طبی درسگاہ نے مزید شہرت اور مقبولیت حاصل کی اور نہ صرف ہندوستان مین بلکہ مشرق وسطی (ترکستان و روس) بلکہ مشرق قریب (ٹرکی) تک سے طلبہ اس درسگاہ مین طب کی تحصیل کے لیے آنے لگے بلکہ ایک طرف قاہرہ اور قسطنطنیہ سے اور دوسری طرف بخارا تک سے طلبہ یہان آتے تھے،

محمود خان کے جانشین حکیم عبدالمجید خان نے بھی اپنے خاندانی خصوصیات کو برقرار رکھا، مدرسہ طبیہ کو ترقی دی اور ایک باقاعدہ طبی درسگاہ کے قالب مین اوسکو ڈھالا، حکومت برطانیہ کی طرف سے اونکو حاذق الملک کا خطاب ملا، حکیم عبدالمجید خان نے ۴۳ سال کی عمر مین وفات پائی، اور اون کی جانشینی کا فرض اونکے چھوٹے بھائی حکیم واصل خان مرحوم کے سر آیا، مرحوم نے مدرسہ طبیہ کی بڑی خدمت کی اور اونکی طبی خدمات نے پنجاب اور صوبہ متحدہ مین بڑی ناموری حاصل کی، اون کی وفات پر تمام دلّی نے ماتم کیا،

اسکے بعد حکیم اجمل خان صاحب نے اس فرض کو اپنے کندھون پر اُٹھایا علاج و معالجہ کی کامیابیان، مدرسہ طبیہ کی ترقی، اور طبیہ کالج کے رتبہ تک اوسکا پہنچنا، اور قدیم اسلامی طب کو جدید فن طب کی نئی تحقیقات سے مستفید کرنا، طبی کانفرنس کی بنیاد ڈالکر اطبا مین روشنخیالی پیدا کرنا حکیم صاحب کے روشن کارنامے ہین، حکیم صاحب کی پیدائش ۱۷، شوال سنہ ۱۲۸۴ھ کو ہوئی، یعنی اسوقت حکیم صاحب

کی عمر تقریباً ستاون سال کی ہے، حفظ قرآن اور فارسی کے بعد عربی کی کامل تعلیم حاصل کی ادب، منطق، فلسفہ، ریاضیات، دینیات کے ساتھ طب کی تعلیم پائی، ادبیات سے حکیم صاحب کو خاص دلچسپی ہے وہ بے تکلف عربی لکھتے اور بولتے ہین، انگریزی گو اونھون نے باقاعدہ پڑھی نہین، مگر عام طور سے وہ انگریزی سمجھ لیتے ہین اور کسیقدر بول بھی لیتے ہین، اونکو اکثر موقعون پر اردو ہی مین باتین کرتے ہوئے دیکھکر بڑی مسرت ہوتی ہے،

حکیم صاحب نے طب کی تعلیم صغر سنی مین گو اپنے والد سے پائی تھی مگر خاص تعلیم اپنے بڑے بھائی حکیم عبد المجید خان سے حاصل کی مسٹر انڈریوز کہتے ہین کہ اور سچ یہ ہے کہ اونکی طبی شہرت اونکے بزرگون سے کسی حیثیت سے کم نہین ہے، اور مدرسہ طبیہ کو جو ناموری اور ترقی انکے عہد مین ہوئی وہ کبھی نہین ہوئی تھی،

مسٹر انڈریوز لکھتے ہین کہ "حکیم صاحب سے میری پہلی ملاقات دلی مین ہوئی، اونکے مدرسہ طبیہ مین نہ صرف ہندوستانی طلبہ مین نے دیکھے، بلکہ اسقدر دور دراز ملکون کے طلبہ اونکے حلقۂ تعلیم مین پائے، جیسے ترکستان اور مقدونیہ، مجھے خاص طور سے یاد ہے کہ وہان مینے ایک طالب علم کو دیکھا جسکا رنگ و روغن اور خط و خال یورپین معلوم ہوتا تھا، جب مین نے اوسکا وطن دریافت کیا تو البانیا بتایا گیا،

حکیم صاحب سے میری پہلی ملاقات عجیب یادگار تھی، مین ایک مشنری پادری کے ساتھ اونکے مطب مین حاضر ہوا، دیکھا کہ زائرین کی بھیڑ لگی ہوئی ہے، جسمین امیر غریب، ہندو مسلمان سب تھے بلکہ غریب ہندوؤن کی تعداد زیادہ تھی۔ اسوقت تک حکیم صاحب برآمد نہین ہوے تھے جب وہ آئے تو اونھون نے بلا تفریق دولت و جاہ اور قومیت و رنگ ایک طرف سے سب کو دیکھنا شروع کیا،،

۱۹۰۴ء مین جب مین انگلینڈ سے لوٹا تو حکیم صاحب کو سنا کہ وہ عراق تشریف لے گئے ہین چنانچہ مین نے عراق کے اہم مقامات کی سیر کی حکیم صاحب کو قدیم قلمی کتابونکا بہت زیادہ شوق ہے۔ چنانچہ

عراق مین بھی اونھون نے قدیم کتب خانون کو دیکھا بھالا، ۱۹۱۱ء مین اونھون نے یورپ کا سفر کیا، انگلینڈ، فرانس، جرمنی کے علاوہ قسطنطنیہ بھی گئے اور یہان اونھون نے نسبۃً زیادہ قیام کیا اُن مین سے ہر جگہ جدید طبی درسگاہون اور عام مشرقی کتبخانون کو بنظر غور دیکھا اور اسی کا نتیجہ طبیہ کالج کی صورت مین ظاہر ہوا،

اسکے بعد مسٹر اینڈریوز نے حکیم صاحب کے دیگر قومی اور ملکی خدمات گنائے ہین، جو زیادہ تر ہمارے دائرہ سے باہر کی باتین ہین، حکیم صاحب کی متعدد طبی تصنیفات بھی ہین جن مین سے بعض نہایت اہم اور حکمائے قدیم و جدید مین مختلف آرا ہین،

انسانیت پر اسلام کے احسانات

مسٹر آر۔ لسن (MR.R.LISSAN) نے دی ریویو آف ریلیجنز مین ایک مضمون "انسانیت پر اسلام کے احسانات،، کے عنوان سے لکھا ہے اس فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ اسلام تحریک انسانیت کا سب سے بڑا رہنما ہے، اسنے نہ صرف توحید کا غلغلہ بلند کیا بلکہ کسی قوم کو بھی مسکرات اور غلامی کے بدنما دھبون سے اپنے دامن داغدار کرنے کی اجازت نہین دی، بلکہ اسکے برخلاف اوسنے مردہ قومون کو زندہ کرکے اونمین اپنی تازگی و جان ڈالدی، غلامی پر بحث کرتے ہوے لکھتا ہے کہ "بعض عیسائی مصنفین نے پیغمبر اسلامؐ پر الزام لگایا ہے کہ اونھون نے رسم غلامی کو ایک مذہبی حیثیت دیدی ہے، (حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ) اونھون نے اسکو بہت کم کردیا ہے ایک مالک کا فرض ہے کہ وہ اپنے غلام سے بُرا برتاؤ نہ کرے، جو شخص اپنے غلام کو مارے اوسکو چاہیے کہ اوسے آزاد کردے، جو غلام اسلام قبول کرتا ہے، آزاد ہو جاتا ہے مالک کا کام ہے کہ اوسکے لیے کھانا اور کپڑا مہیا کرے مغربی افریقہ کے باشندون نے اسلام قبول کرکے اور ایک برادری مین داخل ہوکر کافرون کے حملہ سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کرلی اسلام مین غلامونکی

حالت عیسائیت سے کہین زیادہ بہتر ہے، اوسے اچھی طرح رکھا جاتا ہے، اوسے تعلیم دیجاتی ہے اور رکن خاندان کی طرح اوس سے سلوک کیا جاتا ہے، اسطرح اوسکو ذلیل حالت سے اوٹھا کر بلند سطح پر لایا جاتا ہے"

کثرت ازدواج کے متعلق اظہار خیالات کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اگر اسکے معنی ایک عورت سے زیادہ تعلق رکھنے کے ہین تو یہ نہایت مدلل طریقہ سے دکھایا جاسکتا ہے کہ اہل مغرب مسلمانون سے کہین زیادہ کثیر الازدواج ہین، حالانکہ اہل مشرق بیشتر ایک ہی عورت پر قناعت کرتے ہین"

عالم اسلامی مین دوسری بیوی نہایت اچھی طرح رکھی جاتی ہے اور نہ وہ اور نہ اوسکے بچے کوئی معاشرتی نقصان اوٹھاتے ہین، لیکن مغرب مین اِن بیچاریون کو سخت ایذائین دیجاتی ہین، اونکے بچے قانوناً اولاد تسلیم نہین کیے جاتے، "اس لیے اسلام کا یہ عمل ایک لازمی ضرورت پر مبنی ہے اور اہل مغرب اوسکے ذریعہ سے اخلاقی و معاشرتی عیوب کا ایک سلسلہ قائم کرتے ہین،

مسٹر لسن کا دعوی ہے کہ تمام اعلےٰ خیالات اور لطیف جذبات جن پر اسوقت یورپ کو ناز ہے مشرق ہی سے آئے ہین،

"آفتاب مشرق سے طلوع ہوتا ہے، اور مشرق ہی مین تمام مصلحان عالم پیدا ہوے ہین یورپ اسکی ایک بھی مثال پیش نہین کرسکتا،

تمام اعلےٰ تحریکین اور انسانی خیالات مشرق ہی سے آئے۔ یہ اسلام ہی کے اصول ہین جنھین صلیبی مجاہد اپنے ساتھ یورپ لائے تھے اور جو آجکل یہان رائج ہین، فرانس نے جب پاپاے روم کی عدالت انگلستان کو منتقل کردی تو تمام کام سست پڑگئے لیکن جب مجاہدین صلیب اسلامی تعلیم سے بہرہ اندوز ہوکر آئے تو پھر فرانس اور فرانس کے دوسرے شہر علم و حکمت کی روشنی سے جگمگا اوٹھے، ہسپانیہ کے سوارون اور مسلمان عربون کی حقیقی بہادری نے یورپ کی معاشرت مین اور چار چاند لگادیے"

اخبار علمیہ

عمر خیام کے انگریزی ایڈیشن متعدد موجود ہین، حال مین ایک جدید ایڈیشن ایک ہندی مسلمان کے قلم سے نکل کر شائع ہوا ہے۔ اس مین خیام کے سوانح حیات و فلسفہ پر تبصرہ کیا گیا ہے اور تعداد کثیر مین اسکی اصل رباعیان مع انگریزی ترجمہ کے درج کی گئی ہین، شائع کرنے والی کمپنی کا نام اور پتہ کیگن پال (Kegan Paul) کمپنی پبلشرز، لندن ہے، کتاب کی ضخامت کچھ اوپر تین سو صفحون کی ہے، اور قیمت ساڑھے دس شلنگ ہے، اسکے مولف جناب مولوی مسعود علی صاحب وارثی، مددگار مشیر تعلیمات، بھوپال ہین، جنکے انگریزی مضامین اکثر رسالہ اسلامک ریویو مین شائع ہوتے رہتے ہین،

ماہ مئی مین آکسفرڈ یونین مین موضوع بحث یہ رکھا گیا کہ "یونیورسٹیون کے معاملات مین یہ یونین، حکومت کی مداخلت کے بالکل مخالف ہے" ایک مقرر نے دوران تقریر مین برمنگھم یونیورسٹی کی مثال پیش کی، کہ زمانہ جنگ مین سرکار نے اسکی اعانت جاری رکھنے کو صرف اس شرط پر منظور کیا، کہ وہ ایک خاص پروفیسر کو اپنے ہان سے علحدہ کردے، اور اس قسم کی مداخلت کو ناقابل تحمل بتایا، مباحثہ کے بعد، ۷۹ رائین تجویز کی موافقت مین، اور ۵۱ مخالفت مین آئین۔ (کلکتہ ریویو)

آئرلینڈ مین جسوقت سے آزاد حکومت قائم ہوئی ہے، انگریزی فوجین برابر وہان سے ہٹ رہی ہین، اور انکے ہٹنے سے بارکین خالی ہوتی چلی جاتی ہین۔ یہ خالی بارکین سررشتہ تعلیم کے قبضہ مین

آتی جاتی ہین، اور ان مین مدارس قائم کیے جارہے ہین، تغیر حکومت کے بعد سے ملک کے نظام تعلیمی مین ایک اہم تغیر یہ واقع ہوا ہے، کہ زبان تدریس بجاے انگریزی کے گیلک کردی گئی ہے جو آیرلینڈ والون کی مادری زبان ہے، اس غرض کے لیے تمام ملک کے مدارس مین بہ استثنا، مدارس ڈبلن وکارک، جون، جولائی واگست، تین ماہ کے لیے تعطیل دیدی گئی ہے، تاکہ تمام اساتذہ جنکی عمرین ۴۵ سال کے اندر ہین، اس سہ ماہی مین اس زبان کی تعلیم حاصل کرلین، اور اسکی تعلیم کا بھی حکومت نے خاص اہتمام کیا ہے۔ ابتدائی وثانوی تعلیم کے مدارس کے نصاب مین اس زبان کی تحصیل کو نمایان جگہ دی گئی ہے۔ ماہ جولائی مین ڈبلن مین اس زبان کی ترقی، ترویج کی تدابیر پر غور وعمل کرنے کے لیے ایک کانفرنس بھی بڑے پیمانہ پر ہونیوالی تھی، (کلکتہ ریویو)

جو لوگ ہندوستانی یونیورسٹیون کے معاملات سے دلچسپی رکھتے ہین، انکے لیے یہ جاننا یقیناً دلچسپ ہوگا، کہ برطانیہ کی جدید یونیورسٹیون مین کن کن مضامین کی تعلیم ہوتی رہتی ہے ذیل مین برطانیہ کی تین اہم وجدید یونیورسٹیون کے متعلق یہ معلومات درج کیے جاتے ہین، برسٹل یونیورسٹی مین، جو آج سے ۱۳۔ سال قبل ۱۹۰۹ء مین عالم وجود مین آئی ہے، مضامین ذیل کی تعلیم ہوتی ہے، (۱) زراعت، (۲) علم تشریح، (۳) عربی وآرامی زبانین۔ (۴) فنون لطیفہ (۵) کیمیا واجسام حیوانی (۶) فن نباتات، (۷)، کیمیائیات، طبعی، زرعی، طبی وغیرہ (۸) السنہ قدیمہ (یونانی ولاطینی)، (۹) فن دندان سازی، (۱۰) معاشیات (۱۱) تعلیمات (۱۲) انجینیری، (۱۳) انگریزی (۱۴) فرینچ (۱۵) جرمن (۱۶) اطالوی (۱۷) عبرانی۔ (۱۸) تاریخ (۱۹) قانون (۲۰) لوکل گورنمنٹ (اصول حکومت مقامی) (۲۱) جغرافیہ۔ (۲۲) ارضیات (۲۳) ریاضیات (۲۴) طبیّات (۲۵) طبعیات (۲۶) عضویات (۲۷) اصول حفظان صحت (۲۸) حیوانیات۔ (۲۹) معدنیات (۳۰) علم تجربات ارضیہ (۳۱) فلسفہ (۳۲) مذہبیات۔ (۳۳) صنعت وحرفت (۳۴) حربیات۔ (کلکتہ ریویو)

برمنگھم یونیورسٹی جسے عالم وجود مین آئے ہوئے (۱۹۰۰ء) آج پورے ۲۲ سال ہوے ہین، مضامین ذیل کی تعلیم کی ذمہ دار ہے،

(۱) انگریزی (۲) فرینچ (۳) جرمن (۴) روسی (۵) اطالوی (۶) اسپینی (۷)، السنہ قدیمہ (لاطینی ویونانی)، (۸) حساب کتاب (۹) تجارت، (۱۰) فلسفہ (۱۱) تعلیمات (۱۲) معدنیات ومتعلقات معدنیات (۱۳) زراعت (۱۴) فن نباتات (۱۵) تشریح انسانی (۱۶) حیوانیات (۱۷) عضویات (۱۸) طبیّات (۱۹) موسیقی (۲۰) دندان سازی (۲۱) تاریخ (۲۲) معاشیات (۲۳) فلزیات (۲۴) شراب سازی (۲۵) انجنیری (۲۶) قانون (۲۷) کیمیائیات (۲۸) طبعیات، (۲۹) ریاضیات (۳۰) ارضیات ومعدنیات، (ایضاً)

لیڈس یونیورسٹی، جسے قائم ہوئے اٹھارہ سال ہوے ہین، مضامین ذیل کی کفیل ہے،

(۱) انگریزی زبان وادب (۲) فرینچ (۳) جرمن زبان وادب (۴) روسی زبان وادب (۵) روسی تاریخ وموسیقی (۶) اسپینی زبان وادب۔ (۷) عبرانی (۸) السنہ قدیمہ (یونانی ولاطینی) (۹) جغرافیہ، (۱۰) تاریخ (۱۱) قانون (۱۲) تعلیمات (۱۳) فلسفہ (۱۴) معاشیات (۱۵) زراعت (۱۶) تشریح (۱۷) طبیّات (۱۸) حیوانیات (۱۹) نباتیات (۲۰) دندان سازی (۲۱) کیمیائیات (۲۲) کیمیا، اجسام حیوانی (۲۳) انجنیری (۲۴) ریاضیات (۲۵) طبعیات، (۲۶) فلزیات (۲۷) حفظ صحت حیوانات، (۲۸) عضویات (۲۹) صنائع، (۳۰) جنگلات (۳۱) علم نشو حیوانات، (ایضاً)

یہ اُن برطانوی یونیورسٹیون کا ذکر تھا، جو ابھی بیسوین صدی مین وجود مین آئی ہین،

مانچسٹر کی مشہور یونیورسٹی، جو نسبتہً قدیم یعنے ۱۸۵۱ء کی قائم شدہ ہے، اُسکے نصاب درس مین مضامین ذیل کی تعلیم شامل ہے،

(۱) انگریزی زبان و ادب، (۲) فرنچ زبان و ادب۔ (۳) جرمن و لسانیات جرمن (۴) روسی (۵) اطالوی (۶) اسپینی (۷)، عبرانی (۸) عربی (۹) سامیتی السنہ و ادبیات (۱۰) حساب کتاب (۱۱) معاملات بینک و ساہوکاری (۱۲)، تعلیمات (۱۳) معاشیات (۱۴) فلسفہ (۱۵) نفسیات (۱۶) فلسفۂ سیاست (۱۷) زراعت (۱۸) اثریات (۱۹) تعمیرات (۲۰) تشریح۔ (۲۱) عضویات (۲۲) طبّیات، (۲۳) حفظان صحت (۲۴) فن بیطاری، (۲۵) مذہبیات (۲۶) چینی زبان (۲۷) مصریات (۲۸) نباتیات (۲۹) حیوانیات (۳۰) طبعیات (۳۱) کیمیائیات (۳۲) تاریخ (۳۳) قانون (۳۴) السنہ قدیمہ (لاطینی و یونانی) (۳۵) ریاضیات (۳۶) لسانیات (۳۷)، ارضیات (۳۸) جغرافیہ (۳۹) صنائع (۴۰) موسیقی (۴۱) علم نشو حیوانات (۴۲) دندان سازی (۴۳) بلورسازی (۴۴) انجنیری (۴۵) علم تجربیات ارضیہ (۴۶) ریلوے (۴۷) صنائع برقی (۴۸) معدنیات (۴۹) تجارت۔ (۵۰) فلزیات،

(کلکتہ ریویو)

———·:·———

مصر کے ایک قدیم غار مین ایک مُحنّط نعش برآمد ہوئی ہے، جس کی بابت علماء فن کا خیال ہے کہ وہ اُس فرعون (شہنشاہ مصر) کی نعش ہے، جسکا ذکر توراۃ کی کتاب خروج مین آیا ہے، اور جس پر چیچک وغیرہ کی صورتون مین سات بار عذاب الٓہی نازل ہوا تھا، اس لاش کے سارے جسم پر چیچک کے داغ ہین، جن سے توراۃ کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ داغون کے علاوہ اس کے جسم پر وہ مُردہ کیڑے بھی ملے ہین، جو چیچک کے باعث ہوتے ہین، اسکا زمانہ چار ہزار سال قبل کا ہوا ہے (پاپولر سائنس)

～～～

دنیا کا بہترین لاسلکی اسٹیشن بورڈو کے قریب فرانس مین واقع ہے۔ یہ اتنی قوی لاسلکی

موجین ارسال کرسکتا ہے جن کا طول ۲۳۰۰۰ میٹر یا ۱۴ میل تک ہوتا ہے۔ اس اسٹیشن کی تعمیر امریکہ کے محکمۂ بحری نے کی تھی، مگر پھر اسے فرانس کے ہاتھ فروخت کرڈالا تھا، یہ اسٹیشن ایک طرف چار ہزار میل کے فاصلہ پر واشنگٹن تک پیام بھیجتا رہتا ہے، اور دوسری طرف فرنچ انڈو چاینا تک، جو چھ ہزار میل کے فاصلہ پر واقع ہے، ابتک اس اسٹیشن کی افضلیت مسلم تھی۔ لیکن حال مین جزیرۂ لانگ واقع امریکہ کے ایک تجارتی اسٹیشن نے بھی اپنے تئین اسکے مقابلہ مین پیش کیا ہے، جو ۱۹۰۰۰ میٹر یا ۱۲ میل کی طویل موجین ارسال کرسکتا ہے،

(پاپولر سائنس)

———·:·———

اہل سائنس نے لاسلکی کے ایک جدید مصرف کی یہ تجویز پیش کی ہے، کہ اسکے ذریعہ سے ہوابازون کو فضا مین سطح زمین سے انکی بلندی کی اطلاع دی جاسکے،

(ایضاً)

———

مچھرون کی بابت جدید معلومات یہ حاصل ہوئی ہین کہ انسان کے لیے خاص طور پر موذی اسکی مادہ ہوتی ہے نہ کہ نر۔ نر مچھر عموماً کاہل و آرام طلب ہوتا ہے، اور اپنی اشتہا کی تشفی پانی، شراب وغیرہ سے کرلیتا ہے، برخلاف اسکے مادہ انسان کے کاٹنے اور ستانے مین مصروف رہتی ہے،

(ایضاً)

———*———

ڈاکٹر پیرس کی راے ہے کہ نمک کی زیادہ مقدار استعمال کرنے سے قلب و گردہ کے امراض پیدا ہوجاتے ہین، چنانچہ پچھلے بیس سال کے عرصہ مین ان امراض کی جو زیادتی ہوئی ہے، اس کا باعث یہی نمک کا زیادہ استعمال ہے، ڈاکٹر صاحب کی راے مین، اوسطاً نمک کی جس مقدار کی ہر شخص کو ضرورت ہوتی ہے، اس سے وہ دس گُنے سے لیکر بیس گنے تک زائد کھاتا رہتا ہے، نمک کی زیادتی سے، خون سے پانی الگ ہوجاتا ہے، بدہضمی پیدا ہوجاتی ہے، مفاصل و عروق شعریہ مین انجماد پیدا ہوجاتا ہے،

عضلات قلب مین ضعف آنے لگتا ہے، اور پیرانہ سالی قبل از وقت آجاتی ہے، ڈاکٹر صاحب کے نزدیک پانی کی مقدار کثیر نمک کی مصلح ہے، (پاپولر سائنس)

ایک فرنچ ڈاکٹر کا بیان ہے، کہ ہر قسم کا کاغذ، ننھے خوردبینی کیڑون کا گھر ہوتا ہے جو سخت سی سخت حرارت پہنچنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہین، (ایضاً)

جنوبی افریقہ کے عجائب خانہ مین ایک کچھوا ابھی مرا ہے، جو ۱۸۲۴ء مین پکڑ کر لایا گیا تھا، یہ بہت جسیم و تنومند تھا، اور جسوقت پکڑا گیا ہے، اُسوقت پوری طرح بالغ ہو چکا تھا۔ یہ کچھوا نر نہ تھا بلکہ کچھوے کی مادہ تھی، خیال کیا جاتا ہے کہ کچھوے کی عمر طبعی انسان کی عمر طبعی کے مساوی ہوتی ہے (ایضاً)

سیلون مین ایک قسم کا کڑا پایا گیا ہے، جسکے جالے کا قطرہ فٹ کا ہے، اور جس کے تار کے خطوط طول مین دس فٹ سے بھی زائد ہوتے ہین، اور اتنے مضبوط ہوتے ہین، کہ پرندون اور مچھلیون کے لیے دام کا کام دے سکتے ہین (ایضاً)

ڈاکٹر میکس شلیپ نے اپنا یہ مستقل خیال ظاہر کیا ہے، کہ جرائم کی بنیاد مادّی و جسمانی ہوتی ہے، یعنی انسان جب جرائم کا ارتکاب کرتا رہتا ہے، تو اس بنا پر کہ اُسکے غدد جسمانی کے نظام عمل مین کوئی نقص واقع ہو گیا ہے۔ اسلیے اکثر صورتون مین، اگر انسداد جرائم مقصود ہے، تو اسکی تدبیر بجاے تعزیر و تعذیب کے یہ بہتر ہوگی کہ مجرم کا علاج کیا جائے۔ بعض مُجرم بیشک ایسے بھی نکلینگے، جنکے قواے اخلاقی مین فساد واقع ہو چکا ہے، سزا کو صرف انکے لیے مخصوص رکھنا چاہیے، (ایضاً)

اُدبیات

نسیانِ درسِ ازل

اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ۔

ازجناب شبیر حسن خان صاحب جوش

صبح کے پرتو مین ہے جلوہ ترا — رات کو تارون مین ہے تیری ضیا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

دیدنی ہے مقبرون کی خوابگاہ — ایک ہی بستر پہ ہین شاہ و گدا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

غنچۂ شاداب صحنِ باغ مین — مسکراتے ہی پریشان ہو گیا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

بیٹھتے دیکھے حباب آسا جہاز — ڈوبتے دیکھے سفینے بارہا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

زندگی نے سیکڑون سامان کیے — موت نے آکر پریشان کر دیا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

ذرہ ذرہ سے عیان ہے انقلاب — لمحے لمحے پر بدلتی ہے ہوا،

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

چاند کے ٹکڑے جنھین کہتے تھے لوگ — خاک کے پیوند ہین وہ مہ لقا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

جاگنا سیکھا تھا جسنے روح نے — سورہے ہین قبر مین وہ دلربا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

انکو رکھا ہے اندھیری قبر مین — جن سے وابستہ تھا جینے کا مزا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

خود بخود اُٹھتی ہے دلمین ہوک سی — صبح کو چلتی ہے جب ٹھنڈی ہوا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

اس طلسم حیرت و نیرنگ کی — جانتا ہون ابتدا و انتہا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

بنتے دیکھین آرزوئین باربار — ٹوٹتے دیکھے ارادے بارہا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

جل اُٹھی شمع تمنائے یزید — گل ہوا فانوس بزم کربلا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

اب بھی چونک اے جوش گہری نیند سے — شب کے سناٹے مین آتی ہے صدا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

سرِ حقیقت

مولنا راغب جیلانی (بدایونی)

ادراک مین کب رازِ نمود اپنا ہے — بیگانہ خیال سے شہود اپنا ہے

ہر لحظہ ہے وہم اعتباری کا ہجوم — مجموعۂ اوہام، وجود اپنا ہے

باب التقریظ والانتقاد

اُسوۂ صحابہؓ

مولفۂ

مولوی عبدالسلام ندوی

ازجناب مولوی عبدالماجد صاحب بی۔اے

اُسوۂ صحابہ، اُسوۂ رسولؐ کا لازمی ضمیمہ ہے، سیرت رسولؐ کے تکملہ کی سعادت شبلی کے جانشین کے نصیب مین آچکی تھی، سیر الصحابہ کی تحریر کا شرف اسی خرمن کمال کے ایک دوسرے خوشہ چین کے حصہ مین آیا، مبارک تھا وہ استاد جسے ایسے تلامذہ ملے، مبارک ہین یہ تلامذہ جنہین ایسا استاد نصیب ہوا تھا،

مولوی عبدالسلام صاحب کے قلم سے دائرۂ معارف کا کوئی شخص نامانوس نہین ہوسکتا اسوۂ صحابہ انہین کے تازہ ترین افادات سے ہے،

صحابہ کی تعداد، تنگ سے تنگ تخمینہ کے مطابق بھی ہزارون کی ہے۔ سب کے مفصل حالات نہ کہین قلمبند ہین، نہ ہوسکتے ہین۔ صرف چند اکابر و مشاہیر کی تفصیلی زندگی کا دنیا کو علم ہے۔ لیکن اس سلسلۃ الذہب سے عام اخلاقی درس حاصل کرنے کا جو مقصد ہے، وہ کسی ایک صحابی یا چند صحابیون کے اوراق حیات کے مطالعہ سے پورا نہین ہوسکتا، اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ سارے سلسلہ پر یکجائی و اجمالی نظر ڈالی جائے، اور اس مرقع ہدایت و موعظت مین اس جمعیت عالیہ کے ایک ایک خط وخال کو اخلاقی شیشہ کی مدد سے معائنہ کیا جائے،

[1] صفحات ۴۴۸، تقطیع ۲۰×۲۶، قیمت ہے، ملنے کا پتہ منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ،

مولانا عبد السلام کی یہ تالیف اسی ضرورت کا حل ہے،

دریا اپنے منبع سے نکل کر جون جون آگے بڑھتا جاتا ہے، اسکی وسعت و پہنائی مین اضافہ ہوتا جاتا ہے، شاداب باغ و پُر فضا چمن اسکے کنارہ تیار ہوتے رہتے ہین، سبزہ زارون اور لہلہاتے ہوئے کھیتون کے درمیان وہ اپنا راستہ بناتا رہتا ہے، آباد و پُر رونق شہر جنکے اندر ہوکر وہ گزرتا ہے، اسکی دلکشی بڑھاتے رہتے ہین. طرح طرح کے گھاٹ اور پُل اسکی دلفریبی مین اضافہ کرتے رہتے ہین. یہ سب کچھ ہوتا ہے، لیکن جسقدر صاف، شفاف، بے آمیز و روان پانی دریا کے نکلنے کے مقام پر ہوتا ہے، وہ بات آگے بڑھکر کہان قائم رہ سکتی ہے، اور اہل نظر کو جو لطف و سرور اس پتھریلی، کوہستانی اور ناہموار زمین کے نظارہ مین آتا ہے اسکا عشر عشیر بھی تمدنی تکلفات اور مصنوعی نفاستون کے مناظر مین نہین آسکتا. یہی حال اسلام کا ہے، تیرہ سو برس کے عرصہ مین جو گلکاریان و نقش آرائیان ہوئین، انکی نظر فریبی مین کلام نہین، تاہم جو نفوس محض روئے جانان کے حُسن غیر مکلّف کے دلدادہ ہین، انکی تشفی تو صرف اسی گلیم پوش حجازی اور اس کے رفقاء طریقت ہی (جن کے سرون پر چتر "وَالَّذِینَ مَعَهُ" سایہ کیے ہوئے ہے) کی زیارت جمال سے ہو سکتی ہے، زیر نظر تالیف اس معنے مین ایک نگار خانۂ حُسن ہے، جس مین مصور نے محبوب کے عشاق کی ایک ایک ادا کو پیرہن کاغذی پہنا کر مجسم کر دیا ہے،

یہ اصحاب کس کے تھے؟ ایک اُمی کے، جو علوم ظاہری کا ابجد شناس تک نہ تھا. اسلیے قدرۃً ان مین سے کوئی شخص بھی جدید مفہوم کے لحاظ سے تعلیم یافتہ نہ تھا. نہ انکے پاس کتبخانے تھے، نہ انہین نوادر کتب کی فراہمی کا شوق رہتا تھا، اور نہ خود انکے الواح دل پر "علوم و فنون" "حِکَم و معارف" کے نقوش کی سیاہی تھی. انکے کان تشکک و اشراق کے مصطلحات سے نامانوس تھے، اور انکے دماغ قیاس و استقراء کے مباحث سے ناآشنا. انکے "جان و دل" کا رخ دلدازی کی جانب متعین ہو چکا تھا، اور "صد کتاب و صد ورق" حوالۂ نار ہو چکے تھے. انکے قلوب کو نور ایمان سے منور کرنے کے لیے نہ کسی استدلال کی ضرورت تھی، نہ کسی علم

کلام کی تدوین کی. انکے لیے سب سے بڑا معجزہ "روئے و آواز پیمبر" کا تھا، چنانچہ

بعض صحابہ نے صرف آپکی شکل و صورت ہی دیکھکر آپکی نبوت کا اعتراف کر لیا، حضرت ابو رافعؓ آپکی خدمت مین قریش کیطرف سے قاصد بنکر آئے تھے، لیکن چہرۂ مبارک کے دیکھنے کے ساتھ ہی شیدائے اسلام ہوگئے، اور عمر بھر آپکی شرف خدمت کو اپنا فخر سمجھتے رہے، حضرت عبد اللہ بن سلامؓ آپکا چہرہ دیکھتے ہی پکار اُٹھے، لیس ھذا بوجہ الکاذب (جھوٹے آدمی کا چہرہ ایسا نہین ہوسکتا) (اسوۂ صحابہؓ)

بعض خوش نصیبون کے لیے شرف زیارت کی بھی ضرورت نہ تھی، انکے لیے بجائے دیدار کے گفتار ہی مین کافی قوت تھی، انکے جذبۂ ایمان کو قوت سے فعل مین لانے کے لیے،

"صرف اسقدر سُن لینا کافی تھا کہ ایک پیغمبر نیک کامون کی ہدایت کرتا ہے. یہی لوگ ہین جو صرف آپ کی نبوت کا غلغلہ سنکر حاضر خدمت ہوے اور اسلام قبول کر لیا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت طفیلؓ، حضرت ابو ذرؓ اسی قسم کے بزرگ ہین" (ص۲۳)

ایک جماعت کثیر ایسی تھی، جسکے قلوب کا زنگ کلام باری کے دو فقرون سے دور ہوگیا. عمر فاروقؓ عثمان بن مظعونؓ، جبیر بن مطعمؓ، طفیل بن عمروؓ، خالد العدوانیؓ، حلقۂ اسلام مین اسی طرح داخل ہوئے تھے، افراد سے قطع نظر کرکے بعض مرتبہ جماعت کی جماعت کلام مجید ہی کے معجزانہ اثر سے ایمان لائی ہے،

"انصار اول اول قرآن مجید ہی کے اثر سے ایمان لائے، حبش مین رسول اللہ صلعم کی بعثت کا چرچا ہوا تو بیس آدمی آپکی خدمت مین حاضر ہوئے، آپ نے اُنکے سامنے قرآن مجید کی آیتین پڑھین، اُنکی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، اور اُسی وقت اسلام قبول کر لیا، حضرت ابو عبیدہؓ حضرت ابو سلمہؓ، حضرت ارقم بن ارقمؓ آپکی خدمت مین حاضر ہوئے، آپ نے عرض اسلام کیا، اور قرآن کی تلاوت فرمائی، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب مسلمان ہوگئے" (ص۱۹)

یہ بزرگوار جس شمع کے پروانہ، جس گُل کے بلبل، جس یوسف کے پرستارون مین تھے، وہ سرتاپا خوبی

درعنائی، محبوبی وزیبائی تھا، اسلیے لازمی طور پر انکے دلون مین انکا عشق صادق جاگزین تھا، اُسکی زیارت جمال انکے ہر درد کا درمان تھی، اسکی ہر نگاہِ التفات انکے لیے باعث فلاح دارین تھی، اسکا ایک تبسم ان کی نظر مین عالم ومافی العالم کی قیمت کے معاوضہ مین ارزان تھا، اور اسکے ہر اشارۂ چشم پر یہ اپنا نقد جان قربان کردینے کو ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے، اس پیکرِ محبوبی کے نقش قدم جس سرزمین پر نظر آتے، اسکی خاک ان وارفتگان عشق کے لیے سرمۂ چشم کا کام دیتی تھی،

"آپ نے جہان جہان نماز پڑھی تھی، جہان جہان سفر مین قیام فرمایا تھا، مسجد مین جہان معتکف ہوے تھے، صحابۂ کرامؓ نے ان تمام مقامات کو یاد رکھا تھا، اور لوگون کو اسکی زیارت کرواتے تھے حضرت نافعؒ کا بیان ہے کہ مجھکو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مسجد مین وہ جگہ دکھائی، جہان آپ معتکف ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے جس درخت کے نیچے بیعت لی تھی، اور جسکا نام شجرۃ الرضوان تھا، وہ ایک مدت تک قائم رہا، صحابہ کرامؓ اسکو اسقدر متبرک سمجھتے تھے کہ اُسکے نیچے نماز پڑھتے تھے" (ص ۱۴۸-۱۴۹)

یہان تک آگئے ہین، تو دربار رسالت کی بھی ایک سرسری زیارت کرلینا چاہیے،

"صحابۂ کرام . . . (جب آپ کی خدمت مین حاضر ہوتے تو دربار نبوت کے ادب وعظمت کے لحاظ سے خاص طور پر کپڑے زیب تن کرلیتے، ایک صحابیہ فرماتی ہین، کہ مین نے تمام کپڑے پہن لیے اور آپ کی خدمت مین حاضر ہوئی، بغیر طہارت کے آپکی خدمت مین حاضر ہونا اور آپ سے مصافحہ کرنا گوارا نہ کرتے . . . . آپکے سامنے بیٹھتے تو فرط ادب سے تصویر بن جاتے۔ احادیث مین اسی حالت کا نقشہ ان الفاظ مین کھینچا گیا ہے کانما علی رؤسھم الطیر یعنی صحابہ آپکے سامنے اسطرح بیٹھتے تھے گویا انکے سرون پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ نہایت مقرب بارگاہ تھے، تاہم آپکے سامنے گفتگو کرتے تھے تو آواز اسقدر پست ہو جاتی تھی، کہ سنائی نہین دیتی تھی . . . . فرط ادب سے کسی بات مین آپ پر تقدم یا مسابقت گوارا نہ کرتے۔ آپ غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے تو

راہ مین نماز کا وقت ہوگیا، اور صحابہ نے آپکے آنے سے پیشتر ہی حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی امامت مین نماز شروع کردی، آپ پہنچے تو ایک رکعت نماز ہو چکی تھی اسلیے آپ دوسری رکعت مین شریک ہوئے۔ نماز ہو چکی تو تمام صحابہ نے اسکو بے ادبی بلکہ گناہ خیال کیا، اور سبکے سب (بطور استغفار کے) سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے" (ص ۱۴۹-۱۵۰)

ایک بار حضرت ابوبکرؓ کاشانۂ نبوت مین آئے، تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ باواز بلند بول رہی ہین فوراً طمانچہ اُٹھایا اور کہا کہ اب کبھی آپکے سامنے آواز بلند نہ ہونے پائے۔ (ص ۱۵۲)

یہ ایک مختصر نمونہ تھا۔ اگر ان سرفروشون کی جان نثاریون، اور ان کشتگان محبت کی بیتابیون کی مُتعین، مفصل مثالین دیکھنا ہون، تو کتاب کے صفحہ ص ۱۴۳ سے لیکر ص ۲۰۳ تک تبجیل الرسول کا پورا باب مطالعہ کرنا چاہیے جسکی متعدد فصول مین سے چند کے عنوانات یہ ہین:- ادبِ رسول، خدمتِ رسول، محبتِ رسول، شوقِ زیارتِ رسول، شوقِ محبتِ رسول، ادبِ حرمِ رسول وقس علی ہذا، ادب واحترام، خلوص وعقیدت، عشق ومحبت، فریفتگی وفدائیت کے یہی مناظر تھے، جنہین صلح حدیبیہ کے وقت سفیر قریش، عروہ دیکھکر دنگ رہ گیا، اور جب اپنے ہان واپس گیا، تو سب کے سامنے بیان کیا کہ۔

"مین نے قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہین، لیکن محمدؐ کے اصحاب جس طرح محمدؐ کی تعظیم کرتے ہین، مین نے کسی بادشاہ کے رفقا مین وہ بات نہین پائی۔ اگر وہ تھوکتے ہین، تو ان لوگون کے ہاتھ مین انکا تھوک گرتا ہے، اور وہ اپنے جسم وچہرہ پر اُسکو مل لیتے ہین۔ اگر وہ کوئی حکم دیتے ہین تو ہر شخص مسابقت کرنا چاہتا ہے، اگر وہ وضو کرتے ہین تو وہ لوگ بچے کھچے پانی کے لیے باہم لڑ پڑتے ہین، اگر وہ بولتے ہین تو اُنکی آوازین پست ہوجاتی ہین۔ ادب سے ان کی طرف آنکھ بھر کر نہین دیکھتے"

بیچارہ عروہؓ! وہ حاکمانہ رعب واقتدار اور خسروانہ سطوت وجبروت سمجھ سکتا تھا، لیکن ذوق وشوق، سوز وجوش، جذب وفنا کے یہ مناظر اس نے اپنی عمر مین کبھی کیون دیکھے تھے، یہ جس عالم کے واقعات تھے، وہان تک اس بدنصیب کا طائر وہم بھی نہین پہنچ سکتا تھا،

یہ نفوس قدسیہ جن مین سے ہر ایک اقلیم سعادت وفضیلت کا تاجدار تھا، جس شہنشاہ دوعالم کی غلامی اپنے لیے مایۂ ناز سمجھتے تھے، اسکی ساری تعلیم کا خلاصہ اشاعت توحید وتبلیغ عبدیت تھی۔ وہ اس لیے دنیا مین مبعوث ہوا تھا، کہ خود بینی ونفس پرستی کے صنم اعظم کو جو عملی شرک کی سب سے نمایان مثال ہے، توڑے، اور اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ کی ابلیسیت سے دنیا کو پاک کرے۔ اور اسی لیے ہر ایسا فعل جو انسان کے جذبۂ انانیت وخودی کو مشتعل کرنے والا ہے، اس کی شریعت مین حرام قرار پایا۔ خود اس شہنشاہ کائنات نے دنیوی ثروت، وجاہت وحکومت کے باوجود، جس فقر وفاقہ، زہد ومسکنت کی زندگی کا اپنے لیے انتخاب کر رکھا تھا، اسکا اندازہ مورخ سیر الصحابہ کے الفاظ ذیل سے کرو،

"آپ عموماً فقر وفاقہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ صحابہ کرام کے سامنے آپکی خانگی زندگی کا یہ منظر آجاتا تو فرط محبت سے آبدیدہ ہوجاتے۔ ایک بار حضرت عمرؓ کاشانۂ نبوت مین تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے ہین۔ جسم مبارک پر تہ بند کے سوا کچھ نہین تمام بدن پر بدھیان پڑ گئی ہین۔ توشہ خانہ مین مٹھی بھر جو کے سوا اور کچھ نہین۔ آنکھون سے بیساختہ آنسو نکل آئے۔ ارشاد ہوا کہ عمر کیون روتے ہو؟ بولے کیون نہ روؤن آپ کی یہ حالت ہے، اور قیصر وکسریٰ دنیا کے مزے اڑا رہے ہین۔ فرمایا کیا تمھین یہ پسند نہین کہ ہمارے لیے آخرت اور انکے لیے دنیا ہو" (ص ۱۶۹)

جس آقا نے یہ نظام زندگی اپنے لیے اختیار فرما رکھا تھا، اسکے عقیدت آئین، خلوص مجسم وفا سرشت حلقہ بگوشون سے یہ کیونکر ممکن تھا، کہ وہ اپنی طرز معاشرت اس سے مختلف رکھین۔ انھون نے

اپنی معیشت ومعاشرت کو بھی ٹھیک اسی معیار کے مطابق ڈھال لیا تھا، اور جہان تک ممکن تھا، اس باب مین ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے رہتے تھے،

آج جبکہ شرافت وعزت کا معیار تمامتر دولت وثروت کو قرار دے لیا گیا ہے، اور اخلاق وتمدن نے افلاس وناداری کو ہر قسم کی توہین وتحقیر کا مستوجب سمجھ لیا ہے، واقعات ذیل کے علم مین آجانے کے بعد خدا معلوم اصحاب نبی صلعم کی عزت ومرتبت کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی،

صحابہ کرام نہایت فقر وفاقہ اور غربت وافلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک صحابی نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی، تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا "کچھ مہر کے لیے بھی ہے؟" بولے "صرف یہ تہ بند ہے" آپ نے فرمایا "یہ تہ بند اگر تم نے دیدیا تو پردہ پوشی کیونکر ہوگی، کچھ اور تلاش کرو"۔ واپس آئے تو کہا "کچھ نہین ملا" فرمایا کچھ نہین ملتا، تو لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کہین سے لاؤ، بولے وہ بھی نہین ملتی۔ یہ سب کچھ تو نہ تھا، لیکن روحانیت کا خزانہ ساتھ تھا۔ آپ نے قرآن کی چند سورتون پر نکاح پڑھا دیا (ص ۳۲۰)....

حضرت فاطمہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا نکاح ہوا، تو ایک زرہ کے سوا مہر کے لیے کچھ نہ تھا، اسلیے اسی کو مہر مین دیدیا (ص ۳۲۱)

حضرت علیؓ سرور کونین صلعم کے داماد تھے۔ لیکن فقر وفاقہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار گھر مین آئے تو دیکھا حضرت حسین اور حضرت حسن علیہما السلام رو رہے ہین۔ حضرت فاطمہؓ سے پوچھا یہ کیون رو رہے ہین، بولین بھوک سے بیتاب ہین۔ گھر سے نکلے تو بازار مین ایک پڑا ہوا دینار پایا اسکا آٹا اور گوشت خریدا۔ (ص ۳۲۲)،

اصحاب صُفّہ کے تمام فضائل ومناقب مین سب سے زیادہ نمایان فضیلت انکا فقر وفاقہ ہے، ان کی یہ حالت تھی کہ جب آپکے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے، تو ضعف سے گر پڑتے تھے

بدو دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ پاگل ہین، فقر وفاقہ کا آخری درجہ یہ ہے کہ انسان حرام کھانے پر مجبور ہوجائے اور بعض صحابہ اس درجہ پر بھی پہنچ گئے تھے،" (ص ۳۲۲)

غذا، لباس، مکان، غرض ہر شعبۂ معاشرت اسی زہد وتقشف، فقر ومسکنت، کی تصویر تھا، بعض صحابہ گھر تک بنانا پسند نہ کرتے تھے، حضرت سلمان فارسیؓ جس مرتبہ کے صحابی تھے، سب کو معلوم ہے۔ وجاہت دنیوی وثروت کا یہ عالم تھا کہ مداین کے گورنر تھے، اور پانچ ہزار دینار وظیفہ پاتے تھے۔ ان بزرگ نے اپنے لیے گھر تک نہین بنایا تھا، درختون اور دیوارون کے سایہ مین پڑ رہتے تھے لوگون نے گھر بنانے پر اصرار کیا، پہلے تو راضی نہ تھے، بالآخر آمادہ ہوے بھی، تو اسقدر تنگ وپست گھر بنایا، کہ کھڑے ہوتے تو سر چھت سے لگ جاتا، اور لیٹتے تو انگلیان دیوار سے! میز وکرسی، فرش وقالین تکیہ وبستر کا تو نام ونشان تک نہ تھا، ضروری ظروف مین بھی صرف ایک پیالہ اور ایک لوٹا، اور اسے بھی وہ زہد وقناعت کے منافی سمجھتے تھے! چنانچہ نزع کے وقت ان چیزون کو دیکھکر رو پڑے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے ہم سبھون کو وصیت فرمائی تھی، کہ دنیا سے صرف اسی قدر لینا، جتنا ایک مسافر زاد راہ کے لیے لیتا ہے،

یہ چند واقعات جو اوپر درج کیے گئے، ساری کتاب اسی قسم کے معلومات سے لبریز ہے، یہ معلومات منتشر طور پر عربی کی بیسیون کتابون مین ملینگے، لیکن کسی ایک کتاب مین مرتب ومسلسل شکل مین شاید ہی مل سکین، اور اردو مین تو قطعاً اس جامعیت کی کوئی چیز اب تک موجود نہ تھی اردو کے خزانہ مین اس گوہر نایاب کے داخلہ پر جناب مولف، اور انجمن دار المصنفین، دونون اردو خوان پبلک کی جانب سے شکریہ کی مستحق ہین،

صحابہ کے اوصاف صحابیت سے قطع نظر کرکے انکے عام اخلاق، مثلاً مسکین نوازی، صبر و ثبات، جرأت وشجاعت، ایثار، فیاضی، عیب پوشی، حلم، صداقت، دیانت، استغنار، مہمان نوازی

عفو ودرگزر وغیرہ سے متعلق صحیح، مستند ومفصل معلومات ان اوراق مین یکجا نظر آئینگے،

صادق العقیدہ کلمہ گویان اسلام ایسی کتاب کا مطالعہ ہر زمانہ مین اپنے لیے موجب سعادت سمجھتے لیکن آج جبکہ اسلام کو عقلیت، روشن خیالی وترقی پسندی کا مرادف قرار دے لیا گیا ہے، جبکہ "زوال" اسلام کا باعث دنیوی حکومت وامارت، جاہ وحشمت، دولت وثروت کا فقدان تشخیص کیا گیا ہے اور جبکہ دعوت اسلام کو تمامتر عناصر تمدن، اسراف، تعلیم، قوت اختراع، خوش پوشی، خوش خوری خوش باشی، نفاست، نزاکت، امارت، تن آسانی وغیرہ کا کفیل سمجھا جانے لگا ہے، اس قسم کی تالیفات کی اشاعت ازبس ضروری ہوگئی ہے،

افسوسناک امر صرف اتنا ہے، کہ فاضل مولف نے جو سعی واہتمام، کد وکاوش، تحقیق واحتیاط مواد کی فراہمی اور اخذ معلومات مین مدنظر رکھی ہے، اسکا التزام طرز انشا مین نہ رکھ سکے۔ وہ اگرچہ ایک کہنہ مشق مضمون نگار ومصنف ہین، تاہم بہتر ہوگا، اگر طبع ثانی کے وقت امور ذیل کا لحاظ رکھ لیا جائے

(۱) زبان ولہجہ کی متانت، موضوع تصنیف کے متناسب رہنا چاہیے۔ سرور کائناتؐ کے تذکرہ مبارک مین اس قسم کے فقرہ کہ آپ نے انتقال فرمایا" (دیباچہ ص ۲) آپکی وفات کے بعد (ص۱) جو عموماً ہر شخص کے لیے موقع تعظیم پر استعمال ہوتے ہین، اسوۂ صحابہ جیسی خالص مذہبی تالیف مین بہت ہلکے معلوم ہوتے ہین،

(۲) بعض محاورات اور بعض الفاظ کے محل استعمال پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ص۶ پر ہے "وجو صحابہ مصر مین نازل ہوئے تھے"، "نازل ہونا" ایسے موقع پر اردو مین ذم کا پہلو رکھتا ہے، ص۲۳ پر صحابہ کرام کے متعلق ہے، کہ وہ "مدتون مدینہ مین نعل در آتش رہے"، "نعل در آتش رہنا" بھی پہلوے ذم سے خالی نہین ص۱۲۲ وص۱۵۵ پر "سوء ادبی" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اسکے بجائے "بے ادبی" یا "سوء ادب" غالباً بہتر ہوگا،

(۳) مسودہ پر نظر ثانی غالباً بہت عجلت کے ساتھ ہوئی ہے، اسلیئے کلمات ربط مثلاً اگرچہ، چنانچہ، اس واسطے، اس لیے، تاہم، لیکن، وغیرہ کے استعمال پر ایک بار پھر نظر کر لینے کی ضرورت ہے،

ساڑھے تین سو صفحات کی ضخامت، اور اپنے محاسن ظاہری و معنوی کے ساتھ یہ ۸؎ مین کتاب گویا مُفت مل رہی ہے،

نغمۂ سعادت

فن موسیقی پر یہ جناب صاحبزادہ سعادت علیخان بہادر ہوم سکریٹری ریاست رامپور کی تصنیف ہے، کبھی یہ فن شریف اسقدر شریف تھا کہ ہمارے فلسفہ کے معلم ثانی فارابی کی درگاہ مین فارسی شاعری کا آدم رودکی اس "فردوسِ گوش" کا باغبان تھا، ہندوستان کا سب سے بڑا شاعر خسرو اسی کی کرامات سے نظام المشائخ کی روح پاک مین وجد وحال پیدا کرتا تھا، مگر اب اسکی پستی کا یہ عالم ہے کہ یہ نور اب صرف شہر کی تیرہ و تار گلیون مین نظر آتا ہے، سبب یہ ہے کہ اب اسکو صرف خاص گنہگار طبقہ تک محدود کر دیا گیا ہے، صاحبزادہ صاحب کی یہ کوشش کہ اب اسکو پھر شرفا اور بلند طبقون تک پہنچایا جائے اور اسکی علمی اصول کی تشریح کی جائے، تعریف کی مستحق ہے، وہ اس فن کے ایک باکمال استاد ہین، اسکو خاص طور سے اصول کے ساتھ اونھون نے سیکھا ہے، اونکا سلسلۂ تعلیم میان تان سین گوالیاری تک پہنچتا ہے، ہمکو خود چونکہ اس فن سے مس نہین، اسلیئے نفس تصنیف کے متعلق ہماری لب کشائی کی جرات ایک بے سرا راگ الاپنا ہوگا، تاہم سرسری طور پر یہ کہہ سکتے ہین کہ اس فن پر نہایت استیعاب کے ساتھ بحث کیگئی ہے، تمام تانون، سرون اور سرتونکو بیان کیا ہے، ایک ایک کی تشریح کی ہے، اور قدیم اصول کو جدید طریق پر لکھکر بتایا ہے، زیادہ تر ہندی موسیقی کو سامنے رکھا گیا ہے، اور اودسی کے اصطلاحات استعمال کیئے گئے ہین، بیان و طرز ادا سلجھا ہوا اور صاف ہے، تقطیع بڑی، صفحات ۰۰۰، غالباً مصنف کے پتہ سے ملیگی، قیمت درج نہین،

مطبوعاتِ جدیدہ

نگارستانِ فارس، شمس العلماء محمد حسین آزاد مرحوم کی غیر شائع شدہ تصنیفات کی اشاعت کا سلسلہ اونکے پوتے آغا طاہر صاحب نے شروع کیا ہے، اسی سلسلہ مین آزاد مرحوم کی یہ کتاب بھی شائع کی ہے یہ فارسی شعراء کا مختصر تذکرہ ہے، رودکی سے لیکر ہندوستان کے شعرائے متاخرین حزین۔ آرزو اور واقف پر تمام کیا ہے، ہر شاعر کے حالات کے ساتھ اوسکے کچھ منتخبات بھی درج کیے ہین، اس نگارستان مین کل ۷۶ شعرا کے تذکرے آزاد نے سجائے ہین، مگر اسمین وہ آبحیات کا مزہ نہین، عبارت رنگین نہین صاف اور سیدھی زبان ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آزاد کی ابتدائی تصنیف ہے، تاہم آزاد کی تصنیف ہے، اور اردو کے تبرکات مین داخل ہے، لکھائی چھپائی کاغذ متوسط، صفحات ۲۳۶ قیمت مجلد و مطلا ۲؎ معمولی ۱؎، پتہ: آزاد بک ڈپو، اکبری منڈی لاہور،

خیالستان، سید سجاد حیدر صاحب معروف بہ یلدرم کی لطیف ادبی فتوحات جدید طبقہ کے دوسرے قلمران ادیب سے کم نہین ہین، وہ ہماری زبان کے پہلے انشا پرداز ہین جنھون نے ترکی ادبیات سے ہمکو آشنا کیا، اور اُردو مین اُس "سخت جان قوم" کے ادبِ "لطیف" کو فروغ دیا، اور اوسکے طرز انشا کو اُردو مین رواج بخشا، احساسات کی لطافت، ترکیب کی ندرت، جدید استعارات کی رنگین نوائی، اور پھر عبارت کی سادگی اور اثر انگیزی اس طرز کا خاصہ ہے، دار الاشاعہ پنجاب نے خیالستان کے نام سے یلدرم کے تمام مضامین کو جن مین زیادہ تر خیالی افسانے ہین، یکجا جمع کر دیا ہے، چھوٹی تقطیع کے ۲۰۰ صفحات پر یہ خیالستان آباد ہوا ہے، قیمت مجلد با تصویر ۱؎۴، قیمت بلا جلد ۱؎، پتہ: دار الاشاعہ لاہور،

اُردو شاعری، جناب منشی امیر احمد صاحب علوی بی۔اے جو کسی زمانہ مین ہماری زبان کے ایک انشا پرداز

تھے اور اب "عدالت و بال" کے ایوان مین کرسی نشین ہین، اونھون نے مدت ہوئی کہ اردو شاعری کے محاسن پر غالبا اُردوے معلّی کی پہلی ابتدائی جلدون مین ایک مسلسل مضمون لکھا تھا اور ثابت کیا تھا کہ اُردو شاعری کی طرف جن معائب کی نسبت کی جاتی ہے اون سے انگریزی بھی معمور ہے، اور پھر مغربی ادبا شاعری کی جو تعریف کرتے ہین اوس معیار پر اُردو شاعری بھی پوری اترتی ہے، اور اسی ضمن مین انگریزی اور اُردو شاعری کا باہم موازنہ کیا تھا، یہ پورا سلسلہ نہایت پر معلومات اور دلچسپ تھا اور لوگون نے اوسوقت اوسکی بڑی داد دی تھی، اب انوار المطابع لکھنؤ نے اس کو رسالہ کی صورت مین شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، صفحات ۸۰، قیمت عہ، پتہ، انوار المطابع نمبر ۵۳ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ،

اولاد کی شادی، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کا اس باب مین کوئی حریف نہین ہو سکتا کہ اونکو اپنے مضامین اور تصنیفات کے لیے خوب خوب عنوانات سوجھتے ہین، اور پیش پا افتادہ باتون سے وہ اوسی طرح کام کی باتین پیدا کر لیتے ہین، جسطرح مٹی کے ڈھیر سے سونا اور روڑون سے موتی نکال لیتے ہین، "بیوی کی تعلیم" کا تیسرا حصہ ہے، اسمین اولاد کی شادی مین کن کن باتون کا لحاظ اور کن کن پہلوؤن پر نظر ڈالنی چاہیے اس پر بحث کی ہے، یہ حصہ ہمکو اس سلسلہ کے دوسرے حصون سے زیادہ پُر معلومات، زیادہ عالمانہ اور زیادہ مفید نظر آیا، شرعی، رسمی، دنیاوی، عقلی ہر پہلو سے اولاد کی شادی کے مسئلہ پر خیال آرائی کی گئی ہے اور والدین کو بہترین مشورے دیے گئے ہین، آخر مین ایک طویل فسانہ ہے جسپر کتاب ختم ہو جاتی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، قیمت مجلد عہر غیر مجلد عہ، پتہ خواجہ بک ڈپو دہلی،

بانگ جرس، مولوی مسعود علی صاحب بریلوی نے اس نام سے چند قومی نظمون کا ایک مختصر سا مجموعہ شائع کیا ہے، ۱۹ صفحہ کا رسالہ ہے، قیمت ۲ر پتہ شرقی کتبخانہ لاہور،

راہ و رسم منزلہا، مولوی ابو رشید عبد المجید خان صاحب سالک بٹالوی، زمیندار لاہور کے محبوس اڈیٹر کی چند متفرق نظمونکا مجموعہ، سالک کی قومی شاعری بے مزہ نہین ہے، اور قدر دانی کی مستحق ہے، قیمت ۴ر پتہ دار الاشاعہ لاہور،

مجلد دہم | ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۲ع | عدد سوم

مضامین